

جاسوسی دنیا نمبر 98

اردو فلم و ای

(مکمل ناول)

پیشہر

رلانے والی مجھے رلاتی رہی اور کتاب اس بار لیٹ ہو گئی۔ اس کتاب کے اشتہار میں آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوا کہ فریدی حمید کو دیکھ کر متjur رہ جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ فریدی سے زیادہ حمید خود فریدی کے معاملے میں متjur تھا۔

عمران سیریز کے ناول ”گیت اور خون“ زیادہ تر پڑھنے والوں کو پسند آیا تھا اور پسندیدگی کے اظہار کے لئے اتنے خطوط آئے تھے کہ فروافرو اور خط کا جواب لکھنا آدمی کے بس کی بات نہیں۔ اس لئے اتنے لکھنے کو بہت جانتے اور میرا شکریہ قبول فرمائیے۔ دو چار خطوط میں ناپسندیدگی بھی ظاہر کی گئی تھی۔ بہر حال ان حضرات کا بھی شکریہ۔

اسی ناول میں کہیں میں نے ”وریتم“ لکھا تھا۔ لہذا ایک صاحب نے اس کے معنی پوچھے ہیں ”یتیم“ کے لغوی معنی ہیں ”اکیلا“..... خاص قسم کا برا اموی جو صدف میں ایک ہی ہوتا ہے..... اسے ”گوہر یکداش“ اور ”در شہوار“ بھی کہتے ہیں۔

تنیجہ..... در شہوار نام کی خواتین بھی ہوتی ہیں۔ اگر آپ نے انہیں ”وریتم“ کہنا شروع کر دیا تو نتیجے کے آپ خود مدد دار ہوں گے۔

جاسوی دنیا کے پلائم جو بلی نمبر کے لئے ابھی سے تقاضہ شروع ہو گئے ہیں۔ مطمئن رہئے۔ پڑھنے والوں کی خواہشات کے احترام میں اس کے لئے بھی کچھ کیا جائے گا۔

خیم ناول ”دیوبیکر درندہ“ کا شوشه میں نے یونہی نہیں چھوڑا تھا۔ دیگر احوال یہ ہے کہ رسائل اور اخبارات کی قبصیں بڑھ رہی ہیں۔ کتابیں بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکتیں۔ آخر وہی سب کچھ تو کتابوں کی تیاری میں بھی استعمال ہوتا ہے جس کی گرانی کی بناء پر اخبارات اور رسائل کے دام بڑھائے گئے ہیں۔ فی الحال یہ تحریر پر تقصیر حالات کا مقابلہ کر رہا ہے لیکن کتب تک..... ہو سکتا ہے عمران سیریز اور جاسوی دنیا کی قیمتوں میں بھی اضافہ کرنا پڑے۔ لہذا کچھ خیال نہ فرمائیے گا۔

ابن صفعہ

حیرت کے المحاذ

ہائی سرکل نائنٹ کلب کے ڈائیکٹ ہال میں مدھم ہی سبز مائل روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میری آباد تھیں۔ ہونٹ ملتے نظر آتے۔ ہاتھ متjur ہونتے لیکن ملی آوازوں کا آہنگ ہلکی سی جھنگناہٹ سے آگے نہ بڑھنے پا تا تھوڑے تھوڑے وقٹے سے جب ہلکی موسيقی ہال میں گوشی تو پھر آوازیں بالکل ہی درب کر رہے جاتیں۔
کیپشن حمید اپنی میز پر نہما تھا۔

تھا اور اداں..... تھا اس لئے کہ ابھی شادی نہیں ہوئی تھی اور اداں اس لئے کہ شادی ہو جانے کے بعد بچے بھی ہوتے ہیں اور انہیں گھر پر چھوڑ کر خود کلب چلے آتا اس بات کی دلیل ہے کہ کلبوں میں مارے پھرنا کوئی معقول حرکت نہیں۔ لہذا وہ شادی کرے گا اور نہ اسے نامعقولیت کے احساس سے دوچار ہونا پڑتے گا۔
تھائی اور ادا کی برحق ہے۔

اس نے ایک طویل سانس لی اور پاپ میں تباہ کوہرنے لگا۔

”کئی دن سے ایک بچلی ڈاڑھ میں تکلیف ہے؟“ فیر نے بوس کر کہا۔
 ”لا جوں لا لاقوہ.....!“
 ”جی.....!“ وہ چونکہ کروائے گھورنے لگا۔
 ”ڈاڑھ.....!“ حمید کے لمحے میں خوارت تھی۔ ”تم خود کو شاعر کہتے ہو۔“
 ”لک.....کیوں.....!“
 ”ایسے کریبہ الصوت الفاظ تمہاری زبان سے ادا کیسے ہوتے ہیں۔“
 ”واہ جتاب..... تو پھر ڈاڑھ کو کیا کھوں۔“
 ”مت یور کرو۔“ حمید برا سامنہ بناتے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔
 ”پتھر نہیں آج آپ کا موڈ کیا ہے؟“
 حمید جھنلا کر پلٹا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں آج بہت اداس ہوں۔
 ہے کوئی علاج تمہارے پاس۔“
 ”علاج.....!“ فیر نے قہقہہ لگایا اور پھر یک بیک سخیدہ ہو کر دوپن ہاتھوں سے اپنا⁷
 بیان پہلو دبائے ہوئے کہا۔ ”میں بھول جاتا ہوں کہ دل کا مریض بھی ہوں اور مجھے اتنے زور
 سے نہ ہنسنا چاہئے۔“
 ”کاش! تم کچھ دیر اور اسی طرح ہستے رہ جے۔“
 ”تو آپ چاہتے ہیں کہ میں مر جاؤں۔“
 ”اکثر بیویاں اپنے شوہروں سے ایسے سوالات کرتی ہیں۔“
 ”اچھی بات ہے۔“ فیر اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں تو نیکی کرنے آیا تھا..... بہاں یہ
 بقول شاعر..... ہونہے۔“
 ”بیٹھ جاؤ.....!“ حمید نے اس کا با تھک پکڑ کر تکمیلہ لمحے میں کہا۔
 ”نہیں صاحب! میں تو نہیں ہوں..... بقول.....!“
 ”شعراب بھی نہیں سنوں گا.....!“ حمید نے اس کی کلائی پر اپنی گرفت مضبوط کرتے

ایک اپنی نغمہ لا وڈا اپنکر سے منتشر ہو رہا تھا۔ فضائل، ایک ماوس کی خشبو رچی بھی تھی۔
 اسی ہال میں اس نے صدھا خونگوار شامیں گزاریں تھیں..... تنہا بھی اور دوسروں کے
 ساتھ بھی..... لیکن یہ شام..... نہ جانے کیوں عجیب سی لگ رہی تھی۔
 نہ اسے کسی کا انتظار تھا اور نہ کسی خاص مقصد کے تحت یہاں آیا تھا..... نہ اداسی ادائی تھی
 اور نہ تھاںی۔ اداس تو وہ یہاں پہنچ کر ہو گیا تھا۔
 اس نامعلوم سی اداسی کا دورہ اکثر پڑتا تھا۔ اب اس وقت اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ
 اس تاثر کوہن سے جھکل دینے کے لئے کیا کیا جائے۔
 ”غفتا کلب کے فیجر پر نظر پڑی جو اسی کی طرف آ رہا تھا۔ ہونتوں پر مسکراہٹ تھی اور
 آنکھیں پرتاک انداز میں چک رہی تھیں۔
 ”میری خوش قسمتی ہے جتاب کہ آپ کبھی بھی تشریف لاتے رہتے ہیں۔“ اس نے
 قریب پہنچ کر کہا۔ ”بقول شاعر۔“
 ”ایک منٹ.....!“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”شعر سنائے بغیر بھی تم مقصد بیان کر سکتے ہو۔“
 ”جی ہاں..... جی ہاں۔“ وہ دانت نکالے ہوئے بیٹھ گیا۔
 ”ہوں..... کیا بات ہے؟“ حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 ”میں دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ عاقر قرہ جا کے کہتے ہیں۔“
 ”ہوش میں ہو یا نہیں۔“ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ ”میں کوئی موڑ مکینک ہوں۔“
 اسی پروہنی کے مارے دو ہمراو گیا۔
 حمید اسے شرات آمیز نظرؤں سے دیکھتا ہوا بلکہ جھپکتا رہا۔ کچھ دیر بھی پر قابو پانے
 میں لگی۔ پھر وہ ہانپتا ہوا بولا۔ ”ارے جتاب! بھلاس کا موڑیا اس کے مکینم سے کیا
 سروکار..... یہ تو ایک حکیم صاحب کے لکھے ہوئے نئے کی چیز ہے۔“
 ”اوہ.....!“ حمید نے ایسا منہ بتایا جیسے اپنی غلط بھی پر نادم بھی ہو اور جھلابت میں بھی
 بتلا ہو گیا ہو۔

ہوئے کہا۔

”خیر ہٹائیے..... میں نہیں چاہتا کہ بات اس حد تک بھی بڑھے۔“

”تمہاری مرضی۔“

”کیا میں آپ کے لئے کافی ملگاؤں۔“ فیجر نے کچھ دیر خاموش رہ کر پوچھا۔

”نہیں میں جنگر پیوں گا۔ جب بھی معدہ چوپٹ ہوتا ہے تہائی کے اجسas کے ساتھ ہی ادا کی بڑھ جاتی ہے۔“

”جواب نہیں ہے آپ کا بھی۔ خیر چھوڑیے۔ جس طرح آپ حق دوستی ادا کرتے ہیں اسی طرح اس وقت میں بھی اپنے فرش سے سکدوش ہونا چاہتا ہوں۔“

”یعنی..... تم مجھے ایک بوتل جنگر پلا کر سکدوش ہو جاؤ گے۔“ حمید نے آنکھیں نکالیں۔

”سچھنے کی کوشش کیجئے۔“ فیجر بے حد سخینہ ہو کر بولا۔

حمدی نے حرمت ظاہر کرنے کے لئے جلدی جلدی پلکنس جپکا میں اور استفہامیہ انداز میں اسے دیکھتا رہا۔

”کل یہاں ایک حرمت انجیز منظر دیکھنے میں آیا۔“ فیجر حمید کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ حمید نے پھر کچھ نہ کہا۔ فیجر نے خاموش ہو کر اس کی آنکھوں میں غالباً اپنے جملے کا رد عمل پڑھنے کی کوشش کی تھی۔

اب حمید بر جھکائے اپنے پاپ کو اس طرح سہلا رہا تھا جیسے وہ پھدک کر اخلاقاً فیجر کی گرد میں جاییٹھے گا۔

”اور وہ منتظر.....!“ فیجر کچھ دیر بعد بولا۔ ”خدا کی قسم میرے لئے تو بے حد حرمت انجیز تھا کیونکہ اس سے پہلے میں نے کبھی انہیں ایسی حالت میں نہیں دیکھا۔“

”کیا ایک ناگ پر کھڑے ہو کر باگ دے رہے تھے۔“

”اس سے بھی زیادہ حرمت انجیز..... ارے وہ ایک عورت کی آنکھوں میں ایسی محبت سے دیکھ رہے تھے کہ میں نے سوچا کاش میں بھی عورت ہوتا۔“

”کسی نے ہوائی چھوڑی ہوگی۔“ حمید بے اعتباری سے ہنسا۔

”نہیں صاحب! میرے پاس وقت نہیں ہے۔“ فیجر نے کلائی چھڑانے کیلئے زور لگایا۔

”ٹوٹ جائے گی۔“ حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”لا جوں ولا قوہ۔“ فیجر نے جھینپے ہوئے لبجھ میں کہا اور اس طرح ادھر ادھر دیکھنے لگا جیسے اندازہ کرنا چاہتا ہو کہ کسی نے اس کو اس حال میں دیکھا تو نہیں۔ کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”براؤ کرم ہاتھ چھوڑ دیجئے۔ میں نہیں اٹھوں گا۔“

”یہ لو.....!“ حمید نے ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔ ”اوہ موڈ ٹھیک ہونے کے لئے صرف دو منٹ دے سکتا ہوں..... تم نہیں جانتے کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ ملحوظ خاطر رہے کہ اگر محجوب سے چھیڑ چھاڑ بھی نہ ہوتی رہے تو پھر محبت کا فائدہ میں کیا..... بقول شاعر.....!“

فیجر بے بی سے فس پڑا۔

اب ہال میں ایک طریقہ نمود گونج رہا تھا۔

قریب کی میرے نازہ کافی کی بھاپ حمید کے نھنوں تک پہنچا اور اس نے فیجر کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔ ”تو آج کل نہیں کافی پڑی رہی ہے۔ لیکن یہ ایمپورٹ تو ہوتی نہیں۔“

”ہرگز نہیں جتاب۔ ہم پوس کے علاوہ اور کوئی براثنیں استعمال کرتے۔“

”کرتے ہو بھی تو کیا..... جسے ہم چاہیں.....!“ حمید جملہ پورا کرنے کی وجہ سے صرف بائیں آنکھ دبا کر رہا گیا۔

”مجھے آپ کی دوستی پر فخر ہے جناب..... لیکن معاف کیجئے گا آپ حضرات نے اس کرامہ رپورٹ کو بہت سرچھار کھا ہے۔“

”انور کی بات کر رہے ہو۔“

”جی ہاں۔“ فیجر نے تجوہ اسامنہ بنا کر کہا۔ ”وہ حضرت مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش فرماتے ہیں۔“

”ایک شکایت لکھ کر میرے حوالے کرو۔ کل ہی بند کرانے دیتا ہوں۔“

”تم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔“

حید جانتا تھا کہ وہ قسمیں کھانے کا عادی نہیں لہذا اسے سنبھل کر بیٹھ جانا پڑا۔

”لیکن اتنی خوبصورت عورت بھی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔“

”تمہیں یقین ہے۔“

”کاش میں اس کے حسن کے بارے میں الفاظ کے اختاب پر قادر ہوتا۔“ فیجر نے مہندی سانس لی۔

حید نے پاپ سلاگ کر جلدی جلدی دو تین کش لئے اور پھر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”لیکن میں نے دیکھا ہے کہ وہ بھی ایک محرزہ کی طرح کرٹل کے بازوں میں آگئی تھی۔“

”تم اونگ تو نہیں رہے۔“ حید نے پھر آنکھیں نکالیں۔

”یا خدا..... اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں تو مجھے غارت کرو۔“

”اچھا..... انھوں نے چلو اپنے آفس میں چلو۔“ حید اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بڑے پیار سے بولا۔

فیجر کے چہرے پر کچھ ایسی سمجھیگی طاری تھی جیسے وہ اس اکشاف کے بعد دنیا کی اہم ترین شخصیت بن گیا ہو۔

وہ آفس میں آئے۔ یہاں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ فیجر کی حالت میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ہنویں آنکھوں پر جھکی آرہی تھیں اور ہونٹ بچپنے ہوئے تھے۔ حید اسکی طرف ایک بار سے زیادہ دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔ اس کے چہرے کی کسی نئی تبدیلی پر پتہ نہیں کب تھی آجائے۔

”آپ کو یقین نہیں آ رہا۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”مجھے بھی اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ لیکن حقیقت بہر حال حقیقت ہے۔ اسے کسی طرح بھی جھٹالا نہیں جاسکتا۔“

”میں جانتا ہوں کہ تم جھوٹ نہیں بولتے لیکن حیرت کا انہمار تو مجھے بھی کرنا ہی پڑا تھا۔“

”کیا آنکھیں تھیں..... ہائے وہ ہونٹ تو بھلانے نہیں بھولتے۔ یا وقت کے تراشے تھے۔ بقول شاعر..... پچھڑی اک گلاب کی سی ہے۔“

”اب بن کرو..... آج ببھی باندھ کر نہیں آیا..... رال تپنے لگی تو کوٹ کا ستیا ناں ہو جائے۔“ حید نے مہندی سانس لی۔

”وہ ایسی ہی تھی کپتان صاحب..... لیکن جب کرٹل صاحب نے اس سے رقص کے لئے درخواست کی تھی تو ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ اُن مقناطیسی بانہوں میں کسی ہلکی چھکلی سوئی کی طرح کچھی چلی آئی ہو۔..... پھر رقص شروع ہوا تھا۔ کرٹل ہولے ہولے پچھے کھڑا رہے تھے اور وہ خواب گوں آنکھوں سے اُن کا چہرہ تکے جا رہی تھی۔ خود اُس کے ہونٹ ساکت تھے اور مجھے اُس کے دل کی دھڑکن بہت فاصلے سے بھی محبوس ہو رہی تھی۔“

”مجھے سے زیادہ خوش قسمت ہو۔ مجھے تو بعض اوقات اپنے ہی دل کی دھڑکنیں بھی محبوس نہیں ہوتی۔“

”اڑا لیجے مذاق.....!“ فیجر مہندی سانس لے کر بولا۔ ”اُسے آپ نے دیکھا ہی نہیں ورنہ آپ بھی اس وقت کہیں اور ہوتے۔“

”خیر ہاں تو پھر کیا ہوا.....؟“

”اُدھروں دنوں نئے کی لمبیوں میں بھے جا رہے تھے اور ادھر ایک آدمی بُری طرح بیچا و تاب کھارہ تھا۔ اُس نے کئی فورک توڑا لے کئی چھپریاں موڑ دیں۔ کئی پلٹیں کے مار مار کر توڑا ڈالیں..... سنگ مرمر کی میز پر گھونسہ مارا وہ بیچ سے دو ٹکڑے ہو گئی..... پھر مجھے کھانے دوڑا ہرام زادہ۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔ کون تھا وہ.....!“

”خان وجاہت..... بجم الدولہ کے صاحبزادے۔“

”یہ کن چانوروں کی بات کر رہے ہو۔ میں اس نسل سے واقف نہیں ہوں۔“

”بجم الدولہ کو نہیں جانتے۔ کئی آڑن فیکٹریوں کے مالک..... جنہیں لوہے کا خط

چکر لگاتے پھر وہ۔

”یہ سرا اتهام ہے۔“

”بقول شاعر.....!“ حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکریا۔

”آپ کی آنکھوں میں مرد نہیں ہے۔“ فیجر اتنی دری میں غصے سے ہائپنے لگا تھا۔

”خیر میں تو معلوم ہی کرلوں گا کہ چکر کیا ہے..... پھر دیکھنا۔“

”کیا دیکھوں گا.....؟“

”کچھ نہیں۔“ حمید نے کہا اور آفس سے باہر نکل آیا۔

فیجر سے ملی ہوئی اطلاع دلچسپ بھی تھی اور تشویش ناک بھی..... اس کا خیال تھا کہ کبھی نہ بھی آتش فشاں سے لا ادا ضرور پہنچے گا۔ فطرت سے کب تک جنگ جاری رکھی جاسکتی ہے۔ وہ عجیب ہی پہنچنی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ایک بے نام ہی خلش..... لا حول ولا قوۃ..... اس نے سوچا..... بھلا اُسے کیا؟

فریبڑی صاحب بھی آدمی ہیں..... محاورہ لو ہے کے بنے ہوں گے، لیکن رگوں میں تو خون دوڑ رہا ہے اور دل بھی محاورہ ہی پھر کا ہو سکتا ہے لیکن اس کی موقع نہیں کی جاسکتی کہ دوسروں کی محبوباًوں پر ہاتھ ڈالتے پھریں گے۔

لیکن آخر وہ عورت کیسی ہو سکتی ہے جس نے ایسے شفہ آدمی کو اسی پر رہ روی پر مجرور کر دیا۔

فیجر کم از کم اس سے اس کے بارے میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔

لا حول ولا قوۃ..... اس نے ایک بار پھر اپنے ذہن کو جھکھارنے کی کوشش کی۔ بھلا اُسے کیا؟ ہو گا کچھ.....!

بوریت بڑھتی جا رہی تھی۔

اُس نے سوچا کیوں نہ قاسم کو بلا لایا جائے۔ اس کے ساتھ وقت بہر حال اچھا کرتا ہے۔

کاؤنٹر سے اُسے فون کیا۔ مگر ہی پر موجود تھا لیکن چھوٹتے ہی بولا۔

ہے۔ لڑکے کا نام فولاد خان رکھا تھا..... سختا ہوں یہ گم صاحب نے وجہت کہنا شروع کر دیا تھا۔

اس پر تین سال تک ان کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ خادمانی لوگ ہیں..... نوابی گئی تو سرمایہ داری اختیار کی۔ بہر حال اب ہیں تو بنیتے ہیں لیکن اکٹھوں وہی ہیں..... صابرزادے پانچ چھ سال

لیکس اس میں رہ کر آئے ہیں تو معلوم ہوتا ہے جیسے پیدا بھی وہیں ہوئے ہوں..... اردو بھی امریکی لمحے میں بولتے ہیں۔ بات بات پر ایسا منہ بنا میں گے جیسے کسی نے گالی دے دی ہو۔

مگر ہے جتاب طاقتور..... میز پر ایک ہی گھونسہ مارا تھا کہ جس سے دلکش ہے ہو گئی۔“

”تو وہ کیوں تاؤ کھاتا رہا تھا۔“

”عورت دراصل اُسی کے ساتھ تھی۔ کرٹل نے اُس کی پرواہ کے بغیر رقص کے لئے اس

کی طرف ہاتھ بڑھائے تھے..... اور وہ ان کے بازوؤں میں کچھی چلی گئی تھی۔“

حمدید کی بھنویں تن گئی تھیں اور وہ بجھا ہوا پانچ سلکانے لگا تھا۔

”پھر میں نے خان وجاہت کو بڑی بڑی فتمیں کھاتے ساتھا..... شاہزاد کرٹل صاحب کو

پچانتا نہیں..... اس لئے کہہ رہا تھا وہ کوئی بھی ہو میں اسے جان سے مار دوں گا۔“

”اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ راہ نہ ختم ہونے کے بعد کیا ہوا تھا۔“ حمید نے اتنا کہہا۔

”پھر وہ رقص کرنے والوں کی سمجھی سے تھا واپس آتی دکھائی دی تھی۔ کرٹل صاحب تو

کہیں نظر نہ پڑے تھے۔“

”تم بتانا کیا چاہتے ہو.....؟“

”کمال ہو گیا..... آپ ابھی تک سمجھے ہی نہیں۔“

”میں کچھ نہیں سمجھا۔“

”کیا.....؟“ حمید نے آنکھیں نکالیں۔

”کیا میں ہر ایک کی دم سے بندھا پھرتا ہوں۔“

”میرا خیال ہے کہ تم بھی اُس عورت میں دلچسپی لیتے رہے ہو ورنہ اس کے بارے میں تماں تفصیل سے کیسے بتا سکتے۔ یہ ضروری تو نہیں کہ تم ہر وقت ڈانگنگ ہاں یا ریکریشن ہاں کے

پھر اس کا جی چاپا کر اپنے کپڑے چیر پھاڑ کر پاگلوں کی طرح چیختا ہوا وہاں سے نکل بھاگے۔ شاید ایسا کر بھی گذرتا..... لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایک عورت نظر آئی۔ صدر دروازے سے ہاں میں داخل ہو رہی تھی۔ غیر ملکی تھی اور کسی سفید فام نسل سے تعلق رکھتی تھی۔ لیکن خدا کی پناہ..... حسن بے پناہ کی تصویر۔ حمید تو بس دیکھا ہی رہ گیا اور پھر یہ بھی بھول گیا کہ ابھی عورت ہی کے تصور سے پیچھا چھڑانے کیلئے دیوانہ پن کی سرحدوں کو چھوٹے لگا تھا۔ وہ اُسے دیکھتا رہا۔

رفقاڑ کا تو جواب ہی نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے لمبڑوں میں کنوں ڈول رہا ہو۔ اس کے علاوہ کسی اور پر نظر نہ تھی۔

اس نے اسے ڈائینگ ہال سے گزر کر ریکارڈینگ ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔ نظر دوں سے اوچھا بس.....! دوسری طرف سے جلاںی ہوئی سی آواز آئی اور سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

چل جا رہی تھی۔ حمید نے بھی رسیور رکھ دیا..... وہ سوچ رہا تھا..... عورت ہر طرف عورت چھار جانب اسی کے تذکرے..... لعنت ہے..... اور تو اور..... میں خود بھی..... تو کیا اب

میں خدا پنے ہی سر پر جوتے لگاؤں۔ ارے حد ہو گئی..... یہ بڑھنے..... حورتوں کی بے راہ روی کا تذکرہ تو منہ بگاڑ کر لیں گے لیکن تفصیل کے ساتھ۔۔۔ رال پکاٹی ہوئی آنکھیں اس وقت دیکھنے کے قابل ہوتی ہیں جب وہ ان کے چست لباس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ہونتوں میں تو تغیر آمیز کھنچا ہوتا ہے لیکن آنکھیں بھیک مانگتی نظر آتی ہیں اور پھر آخر تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت ہوتی ہے۔ کیا اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہوتا کہ آج کل کی عورت خود نمائی کے سلسلے میں سخت نامعقولیت کا ثبوت دے رہی ہے..... اُوہ..... عورت..... عورت.....!

”مارے کر قتل صاحب بھی.....!“ اس نے سمجھ کی بوکھلائی ہوئی آواز سنی۔ حمید پھر اس کی طرف مڑا۔ فریدی پر نظر پڑی۔۔۔ وہ صدر دروازے سے داخل ہو کر اسی طرف آرہا تھا۔

حمد نے ہونٹ بھیجنی لئے اور سمجھ کو اس طرح گھونٹنے لگا جیسے مار بیٹھے گا۔ شام کے اس کی اسی حرکت کی بناء پر فریدی سیدھا اسی طرف چلا آیا تھا۔ ”کیا بات ہے۔۔۔“ اس نے یچے سے اوپر تک حمید کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

”میں اس وقت نہیں آ سکتا۔“

”آ خر کیوں.....؟“

”میری بیگم ایک استانی سے اسکراں بیڑری کا کام سکھ رہی ہیں۔“

”بیگم سکھ رہی ہیں نا۔۔۔ تم چلے آؤ۔“

”نہیں میں دنخ رہا ہوں۔۔۔ کہیں اللہ سید حنا نہ سکھا دے۔“

”کیسی ہے.....؟“

”لاحوال ولاکوت۔۔۔ سالے ہمیشہ گندی باتی سوجہ گے۔“

”ضرور تمہارے معیار کی ہے تھی.....!“

”اچھا بس.....!“ دوسری طرف سے جلاںی ہوئی سی آواز آئی اور سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ حمید نے بھی رسیور رکھ دیا..... وہ سوچ رہا تھا..... عورت ہر طرف عورت چھار جانب اسی کے تذکرے..... لعنت ہے..... اور تو اور..... میں خود بھی..... تو کیا اب میں خدا پنے ہی سر پر جوتے لگاؤں۔۔۔ ارے حد ہو گئی..... یہ بڑھنے..... حورتوں کی بے راہ روی کا تذکرہ تو منہ بگاڑ کر لیں گے لیکن تفصیل کے ساتھ۔۔۔ رال پکاٹی ہوئی آنکھیں اس وقت دیکھنے کے قابل ہوتی ہیں جب وہ ان کے چست لباس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ہونتوں میں تو تغیر آمیز کھنچا ہوتا ہے لیکن آنکھیں بھیک مانگتی نظر آتی ہیں اور پھر آخر تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت ہوتی ہے۔ کیا اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہوتا کہ آج کل کی عورت خود نمائی کے سلسلے میں سخت نامعقولیت کا ثبوت دے رہی ہے..... اُوہ..... عورت..... عورت.....!

اس نے اپنے بالوں کو نٹھی میں جکڑ کر جھکھا دیا۔ کس طرح نکلے عورت ذہن سے۔۔۔ کیا ضروری ہے کہ بڑھوں اور ان کی ذہنی کجھوں کے بارے میں سوچا جائے۔۔۔ ضرور سوچا جائے گا۔۔۔ کیونکہ عورت کا معاملہ ہے۔۔۔ ہزار بار لعنت۔۔۔ خداوندانیں کیا کروں۔۔۔ آدمی کی پلی سے کسی حوا کی پیدائش کی کیا ضرورت تھی۔۔۔ تو بڑی شان والا ہے۔۔۔ صرف آدم سے ہی کام چلا لیا ہوتا۔۔۔ نہیں چل۔۔۔ عورت کے بغیر تیری بھی نہیں چل۔۔۔

”لک کے کچھ نہیں جناب.....!“ فیجر بکلایا۔

”تو پھر.....!“

”کچھ نہیں جناب عالی.....!“ فیجر نے کہا اور تیزی سے اپنے آفس کی طرف مڑ گیا۔
حمداب فریدی کی آنکھوں میں بعور دیکھ رہا تھا۔ فریدی کے چہرے پر گہری سمجھی کے آثار تھے۔

دفترا اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں تمہارے آفیسر کی حیثیت سے حکم دیتا ہوں
کہ یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔“

دوسری خبر

پچھے در بعلان کی کھلی ہوا میں حید کو ہوش آیا۔ ورنہ اب سے تو یاد نہیں کہ وہ ہاں سے باہر کیسے آیا تھا۔ خود آیا تھا یا.....!

اس نے دو چار گھری گھری سانیں لیں اور بولکلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ غالباً وہ خود ہی یہاں تک پہنچا تھا۔ اس نے سوچا۔ آخراں طرح تاؤ کھانے کی کیا ضرورت تھی کہ ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ لیکن فریدی کا تحکمانہ انداز شاکد اپنے اندر الٹھاڑ تفریبی رکھتا تھا۔ غالباً وہ سمجھ گیا تھا کہ شجر نے اسے اس عورت کے بارے میں ضرور بتایا ہوگا۔ تو پھر..... کیا اسے اسی طرح پیش آنا چاہئے تھا۔ اسی طرح.....

ایک بار پھر اس کی مٹھیاں بچھ گئیں اور بڑھتے ہوئے غصے کے اثر سے ذہن قلبابازیاں کھانے لگا۔

اچھی بات ہے فریدی صاحب۔ اس نے سوچا اگر آپ بیکے ہیں تو میرے ہاتھوں آپ کو کافی پریشان ہونا پڑے گا۔

اور پھر اسے وہ عورت یاد آگئی جو اس کے ذہن پر ایک خوابیاں کساتا تھا جو چھوڑ گئی تھی۔

”اچھی بات ہے فریدی صاحب۔“ اس بار وہ اپنے سر کو جبش دے کر بڑھ لیا تھا۔

پارکنگ شیڈ سے اس نے اپنی موٹر سائیکل نکالی اور بس پل پر۔ منزل کا تعین کئے بغیر۔
پچھے در بعد ایک بھری پوری سڑک سے گذرتے وقت اس نے پلک ٹیلی فون بوتح کے قریب موٹر سائیکل روکی اور اتر کر بوتح میں آیا۔

وہ سرے لمحے میں وہ ہائی سرکل نائنٹ کلب کے شجر کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

”ہیلو.....!“ دوسرا طرف سے شجر ہی کی آواز آئی۔

”میں تمہارا مخلص ترین دوست بول رہا ہوں۔“ حید نے کہا۔

”یعنی..... اوہ کپتان صاحب۔“

”ہاں..... پیارے..... اب کیا احوال ہیں۔“

”اچھی میں نے ریکارڈیشن ہاں میں جھانا کا تھا۔ دنوں الگ میزوں پر تھا ہیں۔“

”اور وہ جنم الدولہ کے فرزند رشید.....!“

”وہ تو اچھی تکب نہیں دکھائی دیا۔“

”دنوں میزوں کے درمیان انداز اکتنا فاصلہ ہو گا.....!“ حید نے پوچھا۔

”اکتنا فاصلہ کہ کچھ بھی تو نہیں ہو سکتا۔“ مظہر بانہ انداز میں جواب ملا۔

”پھر بھی.....!“

”دو میزیں حائل ہیں بچ میں۔“

”اگر حائل نہ ہوتی تو تمہاری دانست میں کیا ہوتا۔“ حید نے غصیلے لمحے میں سوال کیا۔

”لک کیا ہوتا..... یعنی کہ..... عجیب سوال ہے۔“

”بجاو.....!“ حید غرایا۔

”اوے واہ جناب..... یا اچھی رحمی۔“

”میں جواب چاہتا ہوں۔“

”اچھا تو وہی ہوتا جو ہونا چاہئے۔“ غالباً نبیر بھی طیش میں آگیا تھا۔

”کیا بک رہے ہو.....!“ حمید چینا۔

لیکن دوسرا طرف سے سلسہ منقطع کر دیا گیا۔ حمید نے دانت پیتے ہوئے رسپور کھدیا۔

چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔ پھر دوسرے سکے کا فون کرنے کے بعد دوبارہ ہائی سرکل سے رابطہ قائم کر سکا۔

”تفاہو ہو گئے..... پیارے دوست.....!“ اس نے بڑے پیارے کہا۔

”آپ باتیں ہی ایسی کرتے ہیں جناب۔“ نبیر کی آواز میں ابھی اکٹھا تھی۔

”تھوک دو غصہ مری جان..... ایسی سہاپی راتیں بار بار نہیں آتیں۔“

”جی..... جی..... جناب..... یعنی کہ یعنی ہی..... آپ تو..... یعنی ہی..... بقول شاعر۔“

”خیر..... خیر..... سنوبات..... تمہیں ہمارے کرشم صاحب پر نظر رکھتی ہے..... بڑے

پار ساختے تھے بے چارے۔“

”دل..... لیکن..... اگر انہیں معلوم ہو گیا تو.....!“

”وہ میں دیکھ لوں گا..... تم غفرنا کرو۔“

”بہت اچھا جناب.....!“

حمد سلسہ منقطع کر کے بوتحہ سے باہر نکل آیا۔ لیکن اب بھجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ پھر اس نے سوچا کیا حماقت ہے؟ میری بلاسے۔ لیکن آخر اس بے شکر رویے کی کیا ضرورت تھی۔ دم سے تو بندھانہ رہتا۔ یا حضرت کو خیال تھا کہ میں آپ کی منتظر نظر کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ لا حول ولا قوۃ۔ لیکن ہے زوردار۔۔۔ کچھ عجیب سا انداز رکھتی ہے۔ آنکھیں کتنی پر اسرار تھیں۔۔۔ اتنی گھری سیاہ آنکھیں اس سے پہلے کسی سفید فام نسل میں نظر نہیں آئی تھیں۔۔۔ اور۔۔۔ جنم میں جائے۔ وہ گردن جھنک کر موڑ سائکل کی طرف بڑھ گیا۔

لیکن تھوڑی دیر تک مختلف سڑکوں پر چکراتے رہنے کے بعد اس نے سوچا کہ اسے خان

وجاہت کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔ وہ قاسم کے طبقے سے تعقیل رکھتا ہے۔
مکن ہے وہ اس سے متعلق کچھ بتا سکے۔

بس پھر موڑ سائکل کا رخ عامِ لامج کی طرف ہو گیا۔

تقریباً پندرہ بیس دن سے قاسم سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ حمید کو موقع تھی کہ ابھی ہی موز میں ملے گا۔ لیکن پھر خیال آیا کہ کچھ ہی دیر پہلے وہ فون پر اپنی بیوی کی کسی استانی کا تذکرہ کرچکا ہے جو ان دونوں اُسے انہم ایڈری سکھا رہی ہے۔

بہر حال..... اس نے سوچا دیکھا جائے گا۔ قاسم کی چیز چاہتے بھی تو پر لطف ہوتی ہے اور اس وقت وہ تفریح کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا تھا۔

قاسم کی کوئی پہنچ کر اسے اطلاع ملی کہ ”صاحب بزری ہیں.....!“ لیکن ملازم یہ اطلاع دیتے وقت خصوص انداز میں مسکرا رہا تھا۔ وہ حمید سے واقف تھا۔ دونوں کے تعلقات کا بھی اسے علم تھا۔

”بے حد ضروری کام ہے۔“ حمید بولا۔

”صاحب..... انہوں نے کہا ہے کہ کسی سے بھی نہیں مل سکیں گے۔“

”بھجھ سے بھی نہیں۔“

”آپ ہی کے لئے تو خاص طور پر کہا ہے۔“

”اچھی بات ہے..... تو یہ پرچہ انہیں دے آؤ.....!“ حمید نے کہا اور اپنی پاکٹ بک کے ایک صفحے پر لکھنے لگا۔ ”رام گذھ واسیے واقعات تمہاری بیوی کو بتا دیئے جائیں گے۔“ صفحوں بک سے پھاڑ کر تہہ کرتے ہوئے اس نے ملازم سے کہا۔ ”آن کے علاوہ اور کسی کے ہاتھ میں نہ دینا اور نہ نتیجے کے خود ذمہ دار ہو گے۔“

”بہت اچھا صاحب۔“

ملازم چلا گیا اور حمید پورچ میں کھڑا ہم سروں میں سیٹی بجا تارہ۔

کچھ دری بعد قاسم دندناتا ہوا بہر آیا۔ تو کراس کے پیچھے تھا۔

مبلغل سالا کہہ رہا ہے یوی کی تانگیں چیر کر پھینک دوں۔ میں دوسرا شادی کراؤں گا۔"

حید بولکلا گیا۔ ویسے ہی وہ سمجھتی تھی کہ قاسم کی ذہنی بے راہ روی میں اسی کا ہاتھ ہے۔

لہذا اس بات پر بھی اُسے یقین آجائے گا۔

پھر قبل اس کے کہ قاسم کی یوی اس سے کچھ کہتی اُس نے جھپٹ کر موڑ سائیکل اشارت کر دی اور دونوں میاں یوی کی آواز اس کے سور میں دب کر رہ گئیں۔ حید کا اندازہ تھا کہ دونوں ہی کچھ نہ کچھ بک رہے تھے۔

موڑ سائیکل فرائے بھرتی ہوئی چھانک سے گزرنگی۔

"یہ زندگی ہے؟" اس نے سوچا۔ "اور اپنے ہی ہاتھوں پھر کیا کیا جائے۔"

"عیش!" ذہن کے کسی گوشے سے آواز آئی اور اس نے اگلی ہی سڑک سے موڑ سائیکل کا رخ نیا گرا کی طرف موڑ دیا۔

رات کے نوبے تھے۔ شہر سے باہر نکلتے ہی ایسا محبوں ہوا جیسے ساری ذہنی گھنٹن خلاء کی وسعتوں میں تخلیل ہو گئی ہو۔

موڑ سائیکل خاصی تیز رفتاری سے راستے کر رہی تھی۔ نیا گرد تک پہنچنے پہنچنے اس کا موڈ بالکل ہی بدلتا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ شام ہی سے کافی ہشاش بشاش رہا ہو۔

نیا گرد حسب مستور زندگی سے بھر پور تھا۔ ہال میں بیتری جانی پہچانی شکلیں نظر آئیں۔ بعض لوگوں نے اسے اپنے ساتھ بیٹھنے کی بھی دعوت دی۔ لیکن وہ وہ تو اس وقت نہ جانے کیا چاہتا تھا۔

بس ایک ایسی میز فتحب کی جو دور افراط ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ایسی جگہ تھی جہاں سے ہال کی ساری میزوں کا جائزہ لیا جاسکتا تھا۔

اتھ بڑے ہال میں ساری ہی میزیں تو انگوچ ہو نہیں سکتی تھیں۔ دراصل یہی خیال اسے نیا گرد تک لے آیا تھا۔ ورنہ شہر کے ہوٹلوں میں اس وقت تل دھرنے کی جگہ بھی نہیں ہوتی۔

"تم جاؤ!" حید نے ملازم سے کہا اور اس نے اس کے چہرے پر یاوی کے آثار دیکھے۔ قاسم کے ملازمین تک اس کے بیکنے کے منتظر رہا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ خاصی تفریخ ہے کہتا تھا بہبک کر۔

وہ چلا گیا..... قاسم اب بھی خاموش کھڑا حید کو گھوڑے جارہا تھا۔

"تم سے ایک آدمی کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہیں۔" حید نے آہتہ سے کہا۔

"میں تم سے پوچھتا ہوں تم نے دھمکی کیوں دی۔" قاسم آنکھیں نکال کر غرایا۔ "وہ سیری جورو ہے۔ میں اس کی تانگیں چیر کر پھینک دوں گا۔"

"یہ نیک کام جلد سے جلد کرو ڈالو تاکہ میں تمہارے لئے دوسرا جورو کا انتظام کر سکوں۔"

حید نے بے حد سمجھدی سے کہا۔

"میں بھرے میں نہیں آؤں گا..... چلکنہیں ہوں۔"

"اب اتنی بے اعتباری میں تو تمہارے لئے یہاں تک!"

حید جملہ پورا نہیں کر پایا تھا کہ قاسم کی یوی بھی پہنچ گئی اور قاسم نے بوکھلائے ہوئے لجھے میں کہنا شروع کیا۔ "ابے چوب ابے چوب!"

یوی دونوں کو خاموشی سے گھوڑے جاری تھی۔

"ہاں تو تم خان وجاہت کو جانتے ہو!" حید نے اس کی یوی کی طرف توجہ دیتے بغیر پوچھا۔

"گفتگو کا موضوع بدلنے کی ضرورت نہیں۔" قاسم کی یوی نے تیز لجھے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" حید نے چوکنے کی ایکنگ کی۔ پھر جلدی سے بولا۔

"آداب آداب بلکہ تسلیمات بھی قاسم صاحب تو اب اتنے بداعلاق ہو گئے ہیں کہ بیٹھنے کو بھی نہیں کہتے۔"

"تو م!" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "تم تو نہیں پورچ کی سیر جیوں پر بیٹھو گے۔"

"اب ایسی بھی کیا بد اخلاقی!" یوی نے طغیری لجھے میں کہا۔

اور وہ پوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کہیں کی نے اسے اس طرح خواہ مکراتے تو نہیں دیکھے لیا۔

یہاں کا حساب بے باق کرنے کے بعد اُس نے ریکارڈینگ ہال کی راہ لی۔ نہ جانے کیوں آج یہاں بھی آبادی معمول سے کچھ کم رہی تھی۔ پھر اس کی وجہ بھی اُس کی سمجھتی میں آگئی۔ نیم عریاں جسموں والا کمیرے تو تھا نہیں۔ ایک سیاہ قام نسل کی لڑکی اپنی گلوکاری کا مظاہرہ کرنے والی تھی۔ بھلا اُس سے کسی کو کیا وجہی ہو سکتی تھی۔

تحوڑی دیر بعد رہبا کے لئے موسمی شروع ہو گئی۔ حمید اپنی میز پر تھا ہی رہا۔

رقص کرنے والے جوڑے اٹھا اٹھ کر چولی فرش پر جانے لگے۔

حمدید بے دلی سے اس ہنگامہ زنگ و صوت کی طرف متوجہ رہا۔ راؤٹ ختم ہونے کے تھوڑی دیر بعد مائیک پر معلن نے کہا۔

”خواتین و حضرات..... اب ماموزیل صفوراً کلاسوری تشریف لا رہی ہیں۔ موصوف نے مغربی اور عرب موسمی میں کچھ دچپ تجربات کئے ہیں۔ اس وقت وہ دوفوں کے انتظام سے اختراع کی ہوئی ایک چیز سنائیں گی اور رقص کے لئے آپ کو اس کے اشیپ بھی بتائیں گی۔ ماموزیل صفوراً کلاسوری۔“

اور پھر وہ اسٹچ پر نمودار ہوئی۔ سانچے میں ڈھلا ہوا جسم تھا۔ آبتوی رنگ بعض زاویوں سے چکتی ہوئی سی لگتی تھی اور سفید لباس میں تو بس وہ عی وہ نظر آرہی تھی پرے ہال میں۔

پھر جب کچھ کہنے کے لئے لب کشائی ہوئی تو حمید تو تشبیہ نہ سوچ گئی۔ کیونکہ کالے بادلوں کے دامن میں کوندے کی لپک تو بہت پرانی تشبیہ ٹھہری۔

وہ اُس گیت کے بارے میں کچھ بتانے لگی ہے پیش کرنا تھا۔ اس کے بعد رقص کے لئے اشیپ سمجھانے لگی تھی۔ کچھ جزوے اپنی میزوں کے قریب ہی کھڑے ہو کر بتائے ہوئے اشیپ کی آزمائش پر آتی آئے۔ رقص اور گیت..... گیت اور رقص..... برا خوبیاں کا محل تھا۔

ذرا عینی سی دیر میں صفوراً کسی دوسرا دنیا کی حقوق معلوم ہونے لگی۔ حمید کے ذہن پر بلکل سی

اُس نے ایک بار پورے ہال کا جائزہ لیا اور پھر دیڑ کی طرف متوجہ ہو گی۔ رات کا کھانا بھی ابھی تک نہیں کھایا تھا۔

سوپ پینتے وقت وہ سوچ رہا تھا اتنی واہیات شام گزارنے کا اتفاق اس سے پہلے شام کبھی نہیں ہوا۔ پہلے فریدی نے نخت توہین کی پھر قاسم پر پھینکا ہوا جو تا خدا پنے منہ پر آپڑا۔ لہذا اب بحثاطر رہنا چاہئے ستارہ گردش میں معلوم ہوتا ہے۔

کھانا ختم کر کے اُس نے کافی طلب کی اور پاپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ دیڑ مینو کے ساتھ ریکارڈینگ ہال کا پروگرام بھی لایا تھا۔

اُس میں ایک نیگر لیں کی تصویر دیکھ کر دل باغ ہو گیا۔ یہ گلوکارہ مصر سے آئی تھی اور آج کل نیا گردہ میں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

رنگت جیسی بھی ہو۔ حمید نے سوچا لیکن خدو خال کچھ ایسے نہیں۔ آنکھیں خاصی پوشش ہیں۔

اُس نے کاؤنٹر پر جا کر اپنے لئے ریکارڈینگ ہال میں ایک میز خصوص کرائی اور پھر اپنی جگہ آبیٹھا۔ کافی کا انتظار تھا۔ دیے کافی ریکارڈینگ ہال میں بھی پی جاسکتی تھی لیکن وہ دیڑ کو اس کے لئے ہدایت نہیں دے سکتا تھا۔

رات سک سک کر رنگت رہی۔

آخر وہ یہ سب کچھ کیوں کرتا پھر رہا ہے۔ اُس نے سوچا اور کافی کے گھونٹ پہلے سے بھی زیادہ تیخ محسوس ہوئے۔

کس کی تلاش ہے اسے۔ کیا کسی عورت کی ہم شنسی کا خواہش مند ہے۔ شہر میں ایک نہیں درجنوں ایسی تھیں جو حضن فون کال پر دوڑی آئیں۔ یہ بھی نہیں تو پھر کیا چاہتا ہے؟

”تبدیلی..... محض تبدیلی.....“ اُس کا ذہن کسی بیچ کی طرح جیچ پڑا۔

معمولات زندگی کی یکسانیت بغیر کامے ہوئے پھرے کے جو توں کی طرح تکلیف دہ ہو گئی تھی۔ تو پھر شاید یہ تبدیلی؟ وفتا ایک بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ اُس کے چہرے کو دمکا گئی

لخت کے ذریعہ دومنز لیں طے کیں اور پھر اسی کمرے کے سامنے آ رکا جہاں صفوراً مقیم تھی۔
دروازے پر آہستہ آہستہ دستک دی۔

”کون ہے؟“ اندر سے آواز آئی۔ ”ایک منٹ ٹھہرو۔ میں لباس تبدیل کر رہی ہوں۔“
اور پھر پھر اسیک منٹ بعد اس نے دروازہ کھولا تھا اور حمید کو دیکھ کر پھر گئی تھی۔
”ہم تو گراف.....!“ اس نے مسکرا کر پوچھا۔
حید نے خاموشی سے سر کوئی میں جبشن دی۔

”پھر.....!“

”میں نہیں جانتا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور
صفوراً اسے آنکھیں چھاڑ کر دیکھنے لگی۔
”اشیج کے قریب تم ہی کھڑے تھے۔“ اس نے پکھد دیر بعد پوچھا۔

”ہاں.....شاند میں ہی تھا۔“

”دیکھنے نہیں ہے۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔
”میں پکھنے نہیں جانتا..... جب مجھے ہوش آیا تھا تو میں نے محبوس کیا تھا کہ اشیج کے
قریب کھڑا ہوں اور مجھے بڑی شرم دی گئی ہوئی تھی۔“

”اوہ..... معاف کرنا..... میں نے ابھی تک تمہیں اندر آنے کو نہیں کہا۔“

”کیا ضرورت ہے..... میں نہیں سے واپس چلا جاؤں گا۔“

”پھر آئے کیوں تھے؟“

”میں یہ بھی نہیں جانتا۔“

”عجیب آدمی ہو..... آؤ..... اندر آؤ..... میں تمہارے دلیں میں ابھی ہوں۔“
”میں تو اپنے ہی دلیں میں ابھی ہوں۔“ حید طویل سانس لے کر بولا۔
”واثقی عجیب ہو..... آؤ..... آؤ.....!“ وہ پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔ ”لیکن میرا خیال ہے کہ
موسیقی سے دلی لگاؤ رکھتے ہو۔“

غنوگی طاری تھی اور وہ شم و آنکھوں سے اشیج کی طرف تک جا رہا تھا۔

صفوراً جو کچھ بھی گاری تھی وہ انگریزی ہی میں تھا۔ لیکن کہیں کہیں اس کی لے نخستان،
خیموں کی بستیوں اور کارواؤوں کی جھلکیاں بھی دکھادتی تھی۔

کتنا سکون تھا..... لکنی طمانیت تھی..... حمید کو ذرہ برا بر بھی احساس نہ رہا کہ وہ کچھ دیر
پہلے اداسی اور اکتاہست کا شکار رہا تھا۔ وہ رقصوں کی طرف بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ تو بن
نگر کی اُس جنت میں کھویا ہوا تھا جہاں سرورد و کیف کی نہریں جاری تھیں۔

پھر کچھ دیر بعد وہ اپنی میز سے اٹھا۔ لیکن اس میں اس کے ارادے کو دل نہیں تھا۔ آہستہ
آہستہ چلا ہوا اشیج کے قریب اُس جگہ آپنچا جہاں آرکسرا بیٹھا تھا۔

یہ جسم کی کشش نہیں تھی۔ ایک عجیب سے تاثر کے تحت حمید از خود فلکی کے عالم میں یہاں
تک آپنچا تھا۔

معینہ نے پہلے تو اس پر اپنی سی نظر ڈالی..... پھر دوسرا بار دیر تک اسے دیکھتی رہی اور
جب گیت ختم ہو گیا تو اس نے حمید کو بہت غور سے دیکھا اور سکرا کر اپنے سر کو جبشن دیتی ہوئی
پڑے کے پیچھے غائب ہو گئی۔

حمدید پھر اپنی میز پر واپس آ گیا۔ رقص ابھی چوبی فرش ہی پر تھے کہ آرکسرا نے رقص
کے لئے کوئی اور ہم شروع کر دی اور اب صرف رقص ہی جاری رہا۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے
ایک ویثر سے معلوم کیا کہ وہ روزانہ صرف ایک ہی گیت کاتی ہے..... اور اس وقت اپنے
کمرے میں واپس گئی ہو گئی۔ اسکے گرد ماحوں کی بھیرنہیں رہتی۔ الگ ٹھللک زندگی گذارتی ہے۔
حمید نے طویل سانس لی اور پاپ سیں تباہ کو بھرتے ہوئے سوچنے لگا۔ ”خاصی تفریخ
رہے اگر اس سے دوستی ہو جائے اور میں اسے اپنے ساتھ ہائی سرکل لے جاؤں گا.....
ہاہا.....“ اس نے دل ہی دل میں قہقهہ لگایا اور اداسی کے بادل چھٹنے لگے۔

کمرے کا نمبر پیرے سے معلوم کر چکا تھا۔ پاپ سلاکا کر تھوڑی دیر تک ہلکے ہلکے ش لیتا
رہا پھر اسے راکھداں میں جھاڑ کر اٹھ گیا۔

”تعجب ہے..... ہمارے یہاں تو یہ یوں کی تعداد.....!“

”نہیں.....!“ حمید اپنے اٹھا کر بولا۔ ”یوں کے موضوع پر کچھ نہیں سننا چاہتا۔“
وہ پھر کچھ دیر خاموشی سے اُسے دیکھتی رہنے کے بعد بولی۔ ”میں نے محبوں کیا ہے کہ تم
لوگ بھی سفید فام نسلوں کی طرح ہمیں اچھی نظر وہ سے نہیں دیکھتے۔“

”میں نہیں سمجھا.....!“

”تم پہلے آدمی ہو جو مجھ سے ملنے آئے ہو۔“

”یہ بات نہیں ہے..... تم غلط بھیں..... ہمارے یہاں کے لوگوں کو کوئی کہا۔“

”خیر..... ہٹاؤ..... میں تو یہاں بات کرنے کو بھی ترس گئی۔“

”کیا تم اکیلی ہی آئی ہو۔“

”ہاں.....!“

”کوئی مشجر تو ہو گا ہی۔“

”نہیں کوئی بھی نہیں۔“

”اور آر کشرا.....!“

”وہ بھی میرا پانیں ہے۔“

”یہ تو بہت بُری بات ہے۔ آدمی کو تھائی کا احساس نہ ہونا چاہئے۔ ورنہ وہ بعض اوقات
خود کشی نکل کر لیتا ہے۔“

”میں ایسے کی احساس سے آج تک دو چار نہیں ہوئی۔“

”ضرور ہوئی ہو گی..... لیکن یہ ضروری نہیں کہ اُسے سمجھ بھی سکو.....!“

”تم کیا کہنا چاہتے ہو.....!“

”کچھ بھی نہیں۔ بن میں بھی احسان تھائی کا مارا ہوا ہوں۔“

”کیا کچھ بھی یوں بچے نہیں ہیں۔“

حمید نے مایوسانہ انداز میں سر کو جبکش دی۔ وہ کچھ نہ بولی۔ اب حمید کی طرف نہیں دیکھے۔

”شام.....!“

حمدید اندر آ کر ایک پر بیٹھ گیا اور وہ میز کے گوشے سے نکل گئی تھی۔ اس کے جسم پر
زرد رنگ کا سلپنگ گاؤں پکھے عجیب سالگ رہا تھا۔ کالی رنگت کچھ اور زیادہ نکھر گئی تھی۔

حمدید نے سوچا آنکھیں یقیناً خوبصورت ہیں۔

”تو بُس تم مجھ سے ملتا چاہتے تھے۔“

”یہی بات معلوم ہوتی ہے.....!“ حمید نے ان طرح کہا جیسے اس کے بیان کی تصدیق
کے لئے اپنے ذہن کو ٹوٹا رہا ہو۔

”اچھا تو طو.....!“ وہ غص پڑی۔ اس غصی میں بھی بلا کی نیسگی تھی۔ اگر حمید آنکھیں بند
کر کے یہ آواز سنتا تو اور زیادہ مختلوط ہوتا۔

”میں یہی تو نہیں جانتا کہ لوگ کس طرح ملتے ہیں۔“

”تم کون ہو.....؟“

”میرا نام حمید ہے..... ساجد حمید.....!“

”کیا کرتے ہو۔“

”جب سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں تو رو نے لگتا ہوں۔“

”تم نئے میں تو نہیں ہو۔“

”میں شراب نہیں پیتا.....!“ حمید نے کسی قدر ترشذی سے کہا۔

وہ تھوڑی دریک اسے بغور دیکھتی رہی پھر پوچھا۔ ”کیوں نہیں پیتے۔“

”اس لئے کہ مسلمان ہوں۔“

”تو میں آدمی ہو۔“

”یقیناً.....!“

”کتنی یوں یاں ہیں۔“

”ایک بھی نہیں.....؟“

ربی تھی۔

کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

”ہلو.....!“ دوسری طرف سے کھٹی کھٹی سی آواز آئی۔ ”آپ کہاں سے بول رہے ہیں جاتب عالی۔“

”کہیں سے بھی بول رہا ہوں۔ تمہیں اس سے کیا؟ میری بات کا جواب دو۔ کیا اب بھی کرٹل وہاں موجود ہیں۔“

”ایے دیے موجود ہیں..... بقول شاعر..... میرا خیال ہے کہ آج ہی رات کو میرا بڑا غرق ہو جائے گا۔“

”وہ کس طرح عزیز از جان۔“

”عمارت کے چھپے پر مشتبہ آدمی نظر آ رہے ہیں اور وہ حضرت ناقچے جا رہے ہیں دنیا و مافیہا سے بے خبر..... لیکن آج تھا ہے۔ خان وجاہت کا دور دور سک پتہ نہیں۔“
”کیا وہ آج آیا ہی نہیں۔“

”جتاب..... اسی وجہ سے تو تشویش ہے..... کئی خونخوار قسم کے انجینی میں نے کرٹل کے آس پاس دیکھے ہیں اور وہ حضرت ہیں کہ گرد و پیش سے بے خبر..... گویا کیف و سرور کے دہارے میں ہے جا رہے ہیں بقول شاعر.....!“
”مید کی آنکھوں سے گہری تشویش کے آثار نظر آئے اور اُس نے جھٹکے کے ساتھ ریسیور کریڈیل میں رکھ دیا۔“

اُس کی کہانی

فی الحال تو ایکم خاک ہی میں مل گئی تھی اور اب پھر اُس کی موڑ سائیکل سنان سڑک پر

۔ حمید نے آپ پر ٹھر کو ہائی سرکل کے نمبر بتائے اور دوسرے ہی لمحے میں فیجر سے رابطہ قائم فرائٹے بھر رہی تھی۔ وہ شہر والیں جا رہا تھا۔ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد ہائی سرکل ناٹ کلب تک

کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ ”میں تمہارے شہر کو دیکھنا چاہتی ہوں لیکن کوئی ساتھی نہیں ملتا۔“

”اگر میں اپنی خدمات پیش کروں تو.....!“

”بصد خوش قبول کی جائیں گی.....!“ اُس نے حمید کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

جو بڑی محبت سے ہاتھ میں لیا گیا تھا۔

”اچھی بات ہے..... میں کل سے تمہیں شہر دکھانے کی مہم شروع کروں گا۔“

”پھر اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”مطلوب یہ کہ تم جو اتنی مہربانی سے پیش آ رہے ہو اس کا بدل میں کس طرح دے سکوں گی۔“

”تاک دبا کر مرغ کی بوی بولو..... تین بار.....!“ حمید نے کسی قدر غصیلے انداز میں کہا۔

وہ مسکرا دی اور اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہی۔

حمد نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”کیا تم ہماری زبان..... اردو سمجھ سکتی ہو۔“

”نہیں..... اسی بات کا فسوس ہے۔ لیکن یہاں تو سمجھ اگر بڑی بول سکتے ہیں۔“

”ہاں..... آں.....! بعض اوقات تو اپنی زبان بھی اگر بڑی ہی لمحے میں نوٹنے کی کوشش کر ڈالتے ہیں۔“

”پھر تم مجھے اپنا گھر بھی دکھاؤ گے..... کیوں؟ میں تم لوگوں کا گھر بیلو، ہن ہن بھی دیکھا چاہتی ہوں۔“

”ضرور..... ضرور.....!“ حمید نے کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کیوں نہ اس کو اسی وقت گھر دکھا دیا جائے۔

”کیا میں تمہارا فون استعمال کر سکتا ہوں۔“

”یقیناً..... بڑی خوشی سے۔“

سگ و آہن بے نیاز غم نہیں
دیکھ ہر دیوار و در سے سرہ نار
فنجیر کچھ نہ بولا۔ ایک طرف گردن ڈالے فرش کو گھوٹا رہا۔
”آخر کچھ معلوم بھی تو ہو.....!“ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔
”صاحب..... یہ سب میری عقل کا فتور ہے..... کسی کو لازم نہیں دیتا۔“ فنجیر نے
جھلانے ہوئے لمحے میں جواب دیا۔

”محظی تم سے ہمدردی ہے۔“ حمید نے بے حد زم لمحے میں کہا۔
”میری یوں قہر خداوندی ہے۔ جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔“
”صرف تمہاری ہی نہیں۔ ہر آدمی بختے میں کم از کم ایک بار ضروری یہ سوچتا ہے۔“
”میری بچھ عذاب لگی ہے..... آپ سے کیا پردہ۔“
”چلو خیر تسلیم..... لیکن بات کیا ہے۔“

”وہ کریل والی بات زبان سے نکل گئی تھی اور نکلتی کیوں نہ۔ آپ کے چلے جانے کے بعد
میر اگلا جو دبایا تھا اس نے..... میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ خدا انکوک و شہزادات والی باتیں نہ
تکھجے۔ بہر حال سب کچھ اگلنا پڑا۔ پھر یہ بتایا کہ آج خان وجہت نہیں آیا لیکن کچھ اجنبی
دوسرے مجرموں کے مہمانوں کی حیثیت سے داخل ہوئے ہیں اور ان دونوں کی نگرانی کر رہے
ہیں۔ بس پھر کیا تھا۔ لگ گئی ان کی ٹوٹہ میں..... ابھی کچھ دیر پہلے جب کریل اور وہ لاکی ایک
ساتھ باہر جا رہے تھے میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں ان لوگوں کا تعاقب کروں گی۔ کیونکہ
وہ اجنبی بھی اُنکے ساتھ ہی اخڑ گے ہیں..... میں نے لاکھ منع کیا..... خوشامد کی لیکن کون سنتا ہے۔“
”بھلا دو محترمہ تعاقب کر کے کیا کریں گی.....!“ حمید پر تشویش لمحے میں بڑا یا۔

”مگی باہل..... آپ خود سوچئے بھلا۔“
”کچھ اندازہ ہے کہ وہ لوگ کدھر گئے ہوں گے۔“
”اندازہ..... کمال کرتے ہیں جتاب آپ بھی..... یہاں اس کمرے میں بیٹھ کر مجھے کیا
اندازہ ہو سکتا ہے۔“

فریدی کے بارے میں یہ بات آج ہی اس کے علم میں آئی تھی۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ
بچھل رات وہ نکلیں خادش اچاک ہوا ہو۔ پتہ نہیں کب سے چکر چل رہا ہو۔ شہر میں ہائی سرکل
ہی تو ایک تفریغ گاہ نہیں۔ ویسے یہ ممکن ہے کہ خان وجہت نے ان دونوں کو پہلی بار اس
حالت میں دیکھا ہو۔

”آہ..... کریل مر حوم..... ہارڈ اسٹون آنجھانی.....!“ اس نے بڑا کر اپنے ہوٹ بھیجنے
لئے۔ چنانیں جب پچھل کر لادا نہیں ہیں تو پھر انہیں دینا کی کوئی طاقت ان کے مقام تک واپس
نہیں لے جاسکتی۔ سالہا سال کا تجوہ دشائد اپنے معیار کی چیز کا مثالی تھا۔ اب دیکھنے کیا ہوتا ہے
فریدی صاحب..... اور دھیگا میثتی بلسلہ رومن..... خداوند ابڑی شان والا ہے تو.....؟“ عتمدوں کے
پہاڑ اپنی جگہ سے اکھر کر دل میں پھنسنے کے لئے پستیوں کی طرف لڑکتے آ رہے ہیں۔

حمدید کو ہوش نہیں کر دیا گراہ سے ہائی سرکل تک کتنی دیر میں پہنچا تھا۔ کپاؤٹ میں موڑ
سائیکل کھڑی کی۔ برآمدے میں آیا۔ لیکن فوری طور پر ہال میں داخل ہونے کی بہت نہیں
پڑی۔ اس نے سیدھا فنجیر کے آفس کی طرف چلا گیا۔ وہ موجود تھا۔ لیکن چہرے پر اضطراب کی
لہریں تھیں۔ بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

”میں واقعی بالکل گدھا ہوں۔“ وہ حمید کو دیکھتے ہی میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

”تم اپنے بھی مجھ سے اس کی تقدیق کر سکتے تھے۔“ حمید نے سمجھی گئی سے کہا۔

”نہیں..... مجھ ہی سے احتق کو زندہ نہ رہنا چاہئے۔“

”متاؤ کس طرح مرن پسند کرو گے۔“

”میں مذاق کے موڑ میں نہیں ہوں۔“

”سنجیدگی سے ماروں گا..... تم مطمئن رہو۔“

”میں اپنا سر دیوار سے نکلادیں گا..... سمجھ۔“ وہ روہانی آواز میں چینا۔

”تقول شاعر.....“

اب بندے خال ہیں جس رفتار سے چاہیں عشق کر سکتے ہیں۔ ٹھوک کھانے کا امکان نہیں۔ یقیناً وہ چو آدمی خان وجاہت ہی کے غنڈے ہوں گے۔ اب چونکہ اناڑی ہیں اس میدان میں لہذا رقب رو سیاہ کا چورہ محبوب کی جلوہ جہاں تاب میں گم ہو گیا ہو گا۔ آندھی اور طوفان کی طرح موڑ سائیکل راستے پر کریں تھی لیکن ابھی تک وہ تینوں گاڑیاں نظر نہیں آئی تھیں۔

پھر وہ نیا گرہ تک جا پہنچا۔ پارکنگ شیڈ میں فریڈی کی لئکن کھڑی دیکھی۔ حمید نے طویل سانس لی اور سوچا چلو یہاں تک تو خیریت سے پہنچ گئے۔ باہمیں بازو کے نیچے بغلی ہولٹر کو تھک دیتا ہوا وہ ڈامنگ ہال میں داخل ہوا۔

یہاں ان میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ یقیناً ریکریکشن ہال میں ہوں گے۔ اس نے سوچا اور کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ یہاں اس نے کلرک سے کہا کہ وہ صفورا کے کمرے سے فون لکھ کر دے۔

صفورا جاگ رہی تھی۔ پہلے تو وہ سمجھنی نہ سکی کہ کمال کرنے والا کون ہے۔ لیکن پھر حمید کے وضاحت کرنے پر چینکنے لگی۔

”تم تو چلے گئے تھے۔“

”ہاں! لیکن دیر تک نہ پھر سکا۔ پہنچنیں کیوں یہ رات مجھے زندگی سے بھر پور نظر آ رہی ہے۔ کیا تم نیچے نہ آؤ گی۔“

”آ جاؤں۔“

”یقیناً..... میں ڈامنگ ہال میں تمہارا منتظر ہوں۔ پھر بال روم چلیں گے۔“

”او..... کے.....!“ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

کتنی ترنم آواز ہے۔ حمید نے سوچا۔ ”دیکھے بغیر چاہا جاسکتا ہے۔“

وہ ایک خالی میز کے قریب بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔

صفورا نے ڈامنگ ہال تک پہنچنے میں در نہیں لگائی۔ ساری نظریں اسی کی طرف اٹھ

32
Scanned by iqbalmt
”اچھا..... اچھا..... میں سمجھا۔ غالباً محترمہ حملکیاں بھی دے لئی ہوں گی۔ یعنی ان کی لڑی میں تم شر ہو۔“

”خدا سمجھے۔“ فیجر نے کہا اور میر اسامہ بنے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔ دفترا فون کی گھنٹی بھی اور فیجر نے اس طرح رسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا جیسے فون ہی کو اٹھا کر کھینچ دے گا۔

کال رسیور کرتے ہی منہ کچھ اور بگڑ گیا تھا۔ لیکن پھر حمید نے محسوں کیا جیسے بگڑے ہوئے خدو خال آہستہ آہستہ معمول پر آ رہے ہوں۔ وہ صرف ”ہوں! ہاں.....!“ کرتا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی دزدیدہ نظروں سے حمید کی طرف بھی دیکھتا۔ بلا آخ اس نے رسیور کریڈل پر رکھ کر طویل سانس لی اور حمید سے بولا۔

”وابس تشریف لارہی ہیں محترمہ..... سنان سڑک پر تعاقب کرنے کی نہت نہیں پڑی۔ فرمایا ہے اگر کیپشن حمید کی کال آئے تو انہیں اطلاع دے دی جائے۔“

”کیسی اطلاع.....!“

”بھی کر لو کی اپنی گاڑی میں ہے۔ اس کے پیچے کریل صاحب اپنی گاڑی میں ہیں اور ان کی گاڑی کے پیچے ایک اشیش و میگن ہے جس میں وہ چو آدمی ہیں جو یہاں ان دونوں کے آس پاس منڈلاتے رہے تھے۔“

”بہت بہت شکریہ.....!“ حمید دروازے کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔

”سنئے تو..... مطلب یہ کہ.....!“

لیکن حمید اب کچھ بھی سننے کے موذ میں نہیں تھا۔ اس کی موڑ سائیکل اب پھر نیا گرہ کی طرف جا رہی تھی۔

میاں عشق کرنا تھا تو اپنے عی خادم قدیم سے بھی مشورہ لے لیا ہوتا۔ اس نے سوچا۔ اب یہ کچھ اس قسم کا عشق تو ہے نہیں کہ بے خطر کو دپڑا آتش نمروں میں عشق! کبھی نہ کبھی اسی چوٹ کھانی عی پڑتی ہے تو پھر کیوں نہ ہر وقت اور ہر زمانے میں عشق کرنے کے لئے تیار رہا جائے۔

جاندار لگ رہے تھے۔ نہ رنگت سے متعلق اجس متفرباتی رہا تھا اور نہ اپنی پسند کے معیار سے گرے ہوئے خدو خال ہی کسی ناخنگوارہ ہی کیفیت کا باعث بنے تھے۔ اسے تو بس ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ کسی نورانی حلقت میں گھرا ہوا خلاء میں پرواز کر رہا ہو۔ صوراً پہلی ہم رقص تھی جس نے اس کی روح کو بھی جھنوجھوڑا تھا۔

ایک سیاہ قام اور بد شکل لڑکی نے اس کی روح کو جھنوجھوڑا تھا۔

کیا وہ خود کم تحریر ہوا ہوگا۔ پہنچنیں کب تک انہیں احساسات کے تانے بنانے میں الجما رہتا۔ اگر اچانک فریدی پر نظر نہ پڑی ہوتی۔ وہ اس سے تمہوڑے فاصلے پر تھا اور اس کی ہم رقص وہی عورت تھی جسے ہائی سرکل میں دیکھ کر وہ کچھ درستکتے کے عالم میں رہا تھا۔

وہ سراغھے ایک بیک فریدی کی آنکھوں میں دیکھے جا رہی تھی اور فریدی کی پلٹن تو اس طرح جھلکی ہوئی تھیں جیسے کسی تیر قسم کی شراب کے نشے نے انہیں بو جھل کر دیا ہو۔

”خدایا رحم.....!“ دفعتاً صوراً کی آواز سرگوشی کی حدود سے نکل اس کے کافوں سے مکرائی اور وہ جو نک پڑا۔

”کیوں؟ کیا بات ہے!“

”کچھ نہیں..... کچھ نہیں۔“

حید نے اسے غور ہے دیکھا۔ وہ کچھ سر ایکمہ کی نظر آبنے لگی تھی اور پھر اس نے محسوس کیا کہ وہ بھی بار بار فریدی اور اس کی ہم رقص کو دیکھے جا رہی ہے۔

”کیا وہ لڑکی تمہیں بھی اچھی لگ رہی ہے.....!“ حید نے اس سے پوچھا اور وہ اس طرح چونک پڑی جیسے ابھی تک سوتی رہی ہو۔

”چلو..... یہاں سے چلو اچھے دوست.....!“ وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

”کیوں.....؟ تمہیں اچانک یہ کیا ہو گیا۔“

”بلیں میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔“

”لیکن میں تو یہاں ٹھہرنا چاہتا ہوں۔“

Scanned by iqbalmt
گنگیں۔ سفید باؤز اور نارنجی اسکرت میں بہت نمایاں ہو گئی تھی۔

حید نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔

”تم شہر جا کر واپس بھی آگئے۔“

”تمہاری آواز راستے بھر کافوں میں گنجی رہی تھی۔“

”اوہ..... تو کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میری آواز کا جادو تم پر چل گیا ہے۔ اسکی آنکھیں چکنے لگیں۔“

حید نے اپنے سر کو اشتہلی جنمیش دی اور پاسپ میں تمبا کو بھرتا رہا۔ اس وقت اس کا ذہن فریدی میں الجما ہوا تھا۔

”تم کیا سوچ رہے ہو..... اوہ..... تم تو میری طرف دیکھ بھی نہیں رہے۔ پھر کیوں واپس آگئے..... اپنے ذہن میں میری آواز کی بازگشت محسوس کرتے رہتے۔“

”اوہ..... تم غلط سمجھیں۔“ حید جلدی سے بولا۔ ”آؤ..... بال روم میں چلیں۔ میں دراصل یہ سوچ رہا تھا کہ شہر کے کسی گوشے سے کل ہم شروعات کریں۔“

حید نے بال روم کے لئے دو نکٹ خریدے اور ایک بار پھر اسی سیل رنگ و آہنگ میں ڈوب گیا۔ صوراً اس کے بازوؤں میں تھی..... اور وہ نہ جانے کیوں زندگی میں پہلی بار خود کو بے حد پر سکون محسوس کر رہا تھا۔ بھیڑ بہت زیادہ تھی۔ وہ سب اتنے قریب قریب تھے کہ موسيقی کی عدم موجودگی میں وہ ایک دوسرے کی سرگوشیاں بھی صاف سن سکتے۔

ذراعی سی دیر میں حید یہ بھی بھول گیا کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔ وہ تو بس اس سیاہ قام لڑکی کے بارے میں سوچے جا رہا تھا جس نے اس کی ایک شرابت آمیز ایکم کو بھی خلوص سمجھ لیا تھا۔ نغمگی کے سیالاب میں بہہ جانا اور بات تھی۔ لیکن آج سے پہلے وہ کسی نیگر کے قرب کے تصور کو بھی محفوظ نہیں سمجھتا لیکن یہ کیا احساس تھا۔ لتنی طہانیت تھی اس قرب میں۔ وہ اس کی سرگوشیاں سن رہا تھا۔ خود بھی بھرائی ہوئی آواز میں کبھی کبھی کچھ کہہ دیتا اور صورا کے ہونٹوں پر خوابناک ہی مسکراہٹ انگڑائیاں لینے لگتی۔ بھرے بھرے سے ابھرے ہوئے ہونٹ بڑے

جید نے عجیب قسم کا اضطراب محسوس کیا اور اس کی نظریں رقصوں کی بھیڑ میں فریدی کو
ٹلاش کرنے لگتیں۔

وہ ان لوگوں کو شکلوں سے نہیں پچان سکتا تھا جن کا ذکر ہائی سرکل کے فنجر سے سناتا
بھر اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ یقیناً فریدی کے آس پاس ہی موجود ہوں گے۔ آخر وہ لڑکی ہے
کون؟ اور یہ صورا جو ابھی حال ہی میں ہصر سے آئی ہے اُسے پکھانتی ہے۔
ویژہ نے کافی لانے میں درنہیں لگائی تھی۔

کافی کے پہلے ہی گھونٹ نے صورا کے اعصاب پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ جید نے اس میں
نمایاں تبدیلی محسوس کی۔

”چچلے بیال میں نے اُسے ٹکا گوئیں دیکھا تھا۔ بریس میں ناہی کیفے میں۔ وہ رات
میرے لئے موت اور زندگی کی نکشم والی رات تھی۔“ صورا نے رک رک کر کہا اور اپنی پیالی
میں دوسرا بار کافی اغذیہ لینے لگی۔

جید خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔
”میں بہت زیادہ ذہین نہیں ہوں۔“ صورا کچھ دیر بعد بولی۔

”یہ بہت اچھی بات ہے..... زیادہ ذہین عورتیں مغلص نہیں ہوتیں۔“
”اور بہت زیادہ ذہین مرد.....“ صورا نے چھکی اسی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”اب مردوں کے بارے میں اپنی زبان سے کیا کہوں..... ہاں وہ بھی خاصے نہ سو
ہوتے ہیں۔ اچھا تو پھر کیا ہوا تھا۔ تم کسی بھی ایک رات کا تذکرہ کر رہی تھیں۔“

”ہاں تو میں بریس میں کیفے میں تھی۔ وہ لوگ اپنے گاؤں کو صرف میرے گیت سنوا
چاہتے تھے۔ شکل نہیں دکھانا چاہتے تھے کیونکہ ان دونوں وہاں نسلی کشیدگی پھیلی ہوئی تھی۔ میں
ایک جگہ مائیک پر پوشیدگی میں گاری تھی کہ کسی طرح ہال میں بیٹھنے ہوئے لوگوں کو پتہ چل گیا
کہ میں ایک نیگریں ہوں۔ بس انہوں نے وہاں توڑ پھوڑ چاہو۔ ہوش کے مالکوں سے مطالبہ
کیا کہ مجھے ان کے حوالے کر دیا جائے۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر میں ان کے ہاتھ لگ گئی تو وہ

”تم ٹھہر دو..... لیکن مجھے جانے دو۔“ وہ لجاجت سے بولی۔ ”تم جس وقت بھی چاہو
میرے کمرے میں آسکتے ہو۔“

”میں اکیارہ جاؤں گا۔“
”میں اپنے بیروں میں کمزوری محسوس کر رہی ہوں۔ زیادہ ذریں تک کھڑی نہیں رہ سکتی۔“

”چلو تو..... اور کنارے کھیں بیٹھ جائیں۔“
”ہاں..... یہ ممکن ہے۔“

وہ موسیقی کا ساتھ دیتے ہوئے ہی اس بھیڑ سے نکل کر بائیں بازو والی میزوں تک پہنچ چکا
”پتہ نہیں، ہم کس کی میزو پر بیٹھ رہے ہیں۔“ صورا بولی۔

”فکر نہ کرو..... ان کے آتے ہی ہم شرافت سے اٹھ جائیں گے۔“ جید نے کہا اور
اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ صورا کے چہرے پر اب بھی سر اسیگی کے آثار تھے اور وہ بازار خوفزدہ
نظروں سے رقصوں کی بھیڑ کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔

”کیا بات ہے..... تم بہت پریشان نظر آ رہی ہو۔“
”اک..... کچھ نہیں..... مم..... میں کچھ پینا چاہتی ہوں۔“

”شیری مغلاؤں۔“
”میں بھی تمہاری ہی طرح مسلمان ہوں۔ قلعی نہیں پیتی۔ کافی مغلاؤ۔“

جید نے ایک ویژہ کو اشاعت سے بلا کر آرڈر دیا۔ چند لمحے پھر اسے خاموشی سے دیکھتے
رہنے کے بعد بولا۔ ”کیا وہ لڑکی پریشان کا باعث نہیں ہے۔“

اور اس نے ایک بار پھر اسے چوکتے دیکھا۔
”وہ..... وہ..... رلانے والی ہے..... میں نے اُسے پچان لیا..... رلانے والی..... خدا
کی قسم وہی ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔ رلانے والی سے کیا مراد ہے تمہاری۔“

”پہلے مجھے کافی پی لینے دو..... میرا حلخ خلک ہو رہا ہے۔“

نہیں آتا تھا کہ وہ فریدی ہے۔ بزر جھکائے اپنی ہمراقص کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا وہ آہستہ آہستہ کچھ کہتا جا رہا تھا اور ہم رقص کے ہونتوں پر نشیلی سکرا ابھت تھی۔ کبھی کبھی وہ بھی کچھ کہتی اور آنکھیں بند کر لئی اور پھر وہی خوابیں سی سکرا ابھت۔

”لغت ہے..... لغت ہے۔“ حید زور زور سے اپنی کھوپڑی سہلانے اور سوچنے لگا۔ آہ..... بے چارہ کرل فریدی..... بہر گیانا آخر اس عموی سیلاں میں..... ہات تیری کی..... ساری سنگھانیت دھری رہ گئی۔ اس کا دل چاہا کہ ہاتھ منہ پر رکھ کر ”پُر پُر“ کی آوازیں نکالے۔ لیکن اس کی بجائے وہ پاسپ میں تباکو بھرنے لگا۔ غالباً رقص ختم ہونے والا تھا۔ پتہ نہیں کس کی میز پر اس نے قبضہ کر کھا تھا۔ لہذا مناسب بھی تھا کہ ویٹر کو کافی کے زام ادا کر کے وہاں سے اٹھ جاتا۔

بہر حال رقص ختم ہوا تو وہ ریکریکشن ہال کے صدر دروازے کے قریب کھڑا تھا۔ اس نے فریدی اور اس کی ہم رقص کو میزوں کی طرف واپس آتے دیکھا۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے وہ اس طرح چل رہے تھے جیسے یہ سوں پرانے ساتھی ہوں۔ حید کے سینے سے ایک کھٹی کھٹی سی آہ نکل گئی۔ پتہ نہیں کیوں وہ اتنا بے چین تھا۔

حید کے قریب ہی ایک آدمی اور بھی کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔ حید کو ذرا دری میں اس کا احساس ہوا۔ وہ بڑی تیزی سے رقصوں کی بھیڑ کی طرف بڑھا تھا۔ پھر حید نے اسے ٹھیک انہیں دلوں کے قریب رکتے دیکھا۔

ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے لڑکی کا ہاتھ فریدی کے بازو سے نکالتا اور اب اسے اس طرح صدر دروازے کی طرف لرا تھا جیسے جبرا وہاں سے نکال لے جانا چاہتا ہو۔

دوبارہ فریدی پر نظر گئی۔ وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔ ابھی اس لڑکی کو کھینچتا ہوا حید کے قریب ہی سے گزر گیا۔ حید نے اسے لکھنیوں سے دیکھتے وقت اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا تھا۔

پھر اس نے فریدی کو ایک میز کی طرف بڑھتے دیکھا اور خود بھی اسی جانب تیزی سے

مجھے قلت کر دیں گے۔ مالکوں نے جو سچے تو سفید فام ہیں میں سویٹن کے باشدے تھے ان کا مطالہ ماننے سے انکار کر دیا۔ میں اس کمرے میں تھا تھی جہاں سے میں نے گیت گائے تھے۔ اپنی دانست میں تو میں نے دروازہ بند کر لیا تھا لیکن نہ جانے کیسے ایک آدمی کمرے میں گھس آیا۔ میں رُری طرح سہی ہوئی تھی۔ وہ مجھے دلاسر دینے لگا۔ کہنے لگا کہ وہ مجھے بڑی صفائی سے نکال لے جائے گا۔ تم کافی نہیں پیو گے کیا؟“

”نہیں..... میں خواہش نہیں محسوس کر رہا۔“ حید نے کہا۔ ”اپنی کہانی جاری رکھو۔“ ”کہانی..... ہاں..... چلو اور چلو..... مجھے نیند آ رہی ہے۔ وحشت ہو رہی ہے اس ماحول میں..... اپنے کمرے میں نکاؤں گی کہانی۔“

”کسی وجہ سے میں ابھی نہیں امتحنا چاہتا۔“ حید نے پھر رقصوں کی بھیڑ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”یقین کرو۔ رُری طرح نیند آ رہی ہے۔ پہلے دیکھو میری پلکشی۔ بوجھل ہوئی جا رہی ہیں۔“ فاختہ حید نے اس کی آواز میں اجنبیت سی محسوس کی اور وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ”کیا ہوا ہے تمہیں۔“

”یقین کرو۔ میں سیہیں سو جاؤں گی۔“ ”اچھا تو پھر تم جاؤ۔ میں تھوڑی دیر بعد۔“

”دشکریہ۔ تم بہت اچھے ہو۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔“ وہ اٹھ گئی۔ حید اسے جاتے دیکھا رہا۔ چال میں لڑکھڑا ابھت تھی۔ ادھوری کہانی سن کر وہ اسے الجھن میں ڈال گئی تھی۔

”رلانے والی ہونہے۔!“ وہ منہ میز ہا کر کے بڑا بڑا اور مضطربانہ انداز میں رقصوں کی بھیڑ کا جائزہ لینے لگا۔ برا اسٹر رونگ آر کسٹر سے منشر ہو رہا تھا اور رقص کرنے والے ایسے لگ رہے تھے جیسے وہ نیند میں جھوپلے لے رہے ہوں۔

فریدی پھر نظر آیا۔ اور حید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اسے دیکھتا رہا۔ یقین ہی

”تو کیا حکیم نے نئے میں لکھ دیا ہے کہ کسی دوسرے عی کی مجبوب آپ کی ہم رقص بنے۔“
”میری اپنی تو کوئی ہے نہیں۔“ فریدی نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ ”اور تھہاری ہم
رقص اس قابل نہیں تھی۔“

حید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر رہ گیا۔ کچھ بولانہیں۔
فریدی نے دیٹر کواشارے سے بلا کر کافی کے لئے کہا اور اس کے پلے جانے پر حید سے
بولا۔ ”یہ نیگریں کہاں سے ہاتھ لگی ہے۔“

”صرف آپ ہی تقدیر کے اکلوتے نہیں ہیں۔“
”کافی میں شکر زیادہ لیتا۔“ فریدی نے پرتوشیں لجھے میں کہا۔ ”منہ کا مزہ خراب معلوم
ہوتا ہے۔“

”منہ لگنے کی بات ہے..... یہاں تو شکر بھی منہ نہیں لگتی۔“
”بہت چاچا کر بول رہے ہو۔“

”منہ لگائی ڈومنی گائے ہال بے ہال.....!“
”تو کیا ب محوارات اور ضرب المثل ہی میں گفتگو ہوگی۔“

”آپ جیسے عظیم آدمی سے معمولی الفاظ میں کیا گفتگو کی جائے۔“
فریدی اس کے اس کشیل طور کو بھی نظر انداز کر گیا۔

دیٹر کافی لانے کے معاملے میں بے حد پھر تیلا ثابت ہوا تھا۔ لہذا بات آگے نہ بڑھ سکی۔
دونوں خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ حید نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ فریدی سے اس لڑکی کے بارے
میں کچھ بھی نہ پوچھنے گا۔ لیکن پھر تھوڑی ہی دیر بعد پیٹ میں چوہے کو بننے لگے۔ کیونکہ اسے
صفوراً کا حیرت انگیز رو یہ یاد آ گیا تھا۔

”آپ ابھی اس نیگریں کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔“ حید نے کہا۔
” غالباً..... پوچھا تھا میں نے۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔
”لیکن میں اس کے بارے میں کچھ بتانے سے پہلے آپ سے یہ معلوم کرنا چاہوں گا کہ

قدم بڑھائے۔ فریدی بیٹھ چکا تھا۔ اس نے حید پر اچھی سی نظر ڈالی اور مشروبات کی فہرست کی
طرف متوجہ ہو گیا۔

”عجیب اتفاق ہے۔“ حید نے بھی کھیچ کر بیٹھتے ہوئے طویل سانس لی۔ ”یہاں
بھی آپ سے ملاقات ہو گئی۔ کہنے تو یہاں بھی میری موجودگی غیر ضروری ہو جائے۔“
پھر اس نے فریدی پر اپنے اس بھتے کارڈ مل معلوم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہاں کیا
تھا۔ اس کے چہرے سے تو ایسا لگتا تھا جیسے اس نے ابھی ابھی ریکریشن ہال میں قدم رکھا ہو۔
کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ابھی کچھ ہی دیر پہلے وہ ایک بڑی خوبصورت لڑکی کا ہر قص رہا ہو گا اور
پھر اس کے بعد ہی اس کے لئے کسی قسم کی شرمندگی کا بھی تسانید کرنا پڑا ہو گا۔
ہمیشہ کی طرح سوچ میں ڈوپی ہوئی آنکھیں..... وہی پر سکون چہرہ..... اور وہی دیکھی
ہوئی پر عظمت کشاورہ پیشانی۔

اب وہ اس طرح حید کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جیسے حید کی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔
”میں نے یہ عرض کیا تھا کہ مجھے ڈھٹائی کی ترتیب کب سے دے رہے ہیں۔“ حید مل
کر بول پڑا۔

”میں اب بھی نہیں سمجھا.....؟“ فریدی کی آواز بھی معمول کے مطابق تھی۔ حید نے اس
میں مودہ کی خرابی کا شائبہ بھی نہ پایا۔

بالآخر وہ خود کھسیا کر رہا گیا اور جملائے ہوئے لجھے میں بولا۔ ”کھیچ کر لے گیا آپ
کھڑے منہ دیکھتے رہے۔“

”اوہ.....!“ فریدی کے ہوتوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے کہا۔ ”وہ
حق بجانت تھا کیونکہ حقیقتاً وہ اسی کی مجبوبہ ہے۔“

”ارے تو یہ کوئی بات ہی نہ ہوئی۔“ حید کی جنم جھلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔
”کیا بات ہوئی..... ارے بھی اس کی مجبوبہ میری ہم رقص تھی..... اسے یہ بات پسند نہ
آئی کھیچ کر لے گیا۔“

آپ کو ان چھ آدمیوں کا علم ہے یا نہیں جو ہائی سرکل سے آپ کا تعاقب کرتے ہوئے ہیاں تک آئے تھے۔

”مجھے علم ہے۔“ تسلیم بھی میں جواب ملا۔

”کیا وہ اب بھی یہاں موجود ہیں۔“

”تم جانو۔۔۔“

”میں نے ان کی شکلیں نہیں دیکھیں۔۔۔ مجھے اطلاع ملی تھی کہ چھ آدمی آپ دونوں کا تعاقب کر رہے ہیں۔“

حید نے اس بار بھی فریدی کے چہرے پر حیرت کے آثار نہ دیکھے اور نہ اس نے یہی معلوم کرنا چاہا کہ حید کو تعاقب کی اطلاع کس ذریعہ سے مل تھی۔

لیکن جب حید نے کالی لڑکی کی کہانی چھیڑی اور داستان کے اس حصے پر پہنچا جاں وہ ”رلانے والی“ کا تذکرہ کر کے بدھوای کاشکار ہو گئی تو اس نے فریدی کے چہرے پر کسی قدر بے عینی کے آثار دیکھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہانی کا انعام کم سے کم الفاظ میں سننا چاہتا ہو۔ لیکن کہانی تو پہلے ہی ادھوری رہ گئی تھی۔

”اٹھو۔۔۔!“ وہ حید کے ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔ ”مجھے اس کے کمرے تک لے چلو۔“

”خدا سمجھے آپ سے۔۔۔ اب کیا آپ مجھے کلائیوں سے بھی محروم کر دیتا چاہتے ہیں۔“

”حید بکواس نہیں۔۔۔ جلدی کرو۔“

وہ ریکریشن ہاں سے نکل کر لفٹ کی طرف بڑھے تھے۔ حید اس کی جلد بازی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا اور پھر اس نے سوچا ممکن ہے سب فریب نظر ہو۔ زور کی چکلی بھی لی تھی اس نے اپنے بازو میں ”سی“ کر کے رہ گیا تھا۔ مطلب یہ کہ جاگ ہی رہا تھا۔

وہ سب کچھ خواب نہیں تھا۔

دوسری ملاقات

کمرے کا دروازہ بند تھا۔ لیکن کنجی قفل ہی میں موجود تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ نیند کے دباو کی بناء پر اسے قفل کے سوراخ سے نکالنا ہی بھول گئی ہو۔ فریدی نے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ لیکن..... کمرہ خالی تھا۔ دونوں اندر داخل ہوئے۔ بیڈروم کا دروازہ پہلے ہی سے کھلا ہوا تھا اور یہاں بھی انہیں کوئی نظر نہ آیا۔

”یا عسل خانے میں جاؤں ہی ہے۔“ حید بڑھ دیا۔ اتنی دیر میں فریدی عسل خانہ بھی کھول چکا تھا۔ لیکن وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔

اب وہ کمرے کی چیزوں کی طرف متوجہ ہوا۔

”ممکن ہے کچھ دیر کے لئے باہر گئی ہو۔“ حید نے کہا۔

”کنجی قفل ہی میں نہ چھوڑ جاتی۔“ فریدی میز پر جھکا ہوا بولا۔ حید اتنا ہوئی نظر وہ سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

”ہوں۔۔۔ خواہ خواہ کام بڑھا گئی ہے۔“ اس نے کچھ دیر بعد فریدی کو کہتے سناتے پھر اس نے قریب آ کر کافند کا ایک گلوارا اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ انگریزی میں لکھی ہوئی تحریر تھی۔

”ڈسٹرِ ساجد حید

میں ہبہت جلدی میں یہاں سے رخصت ہو رہی ہوں۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ میں تمہارے شہر سے واقف نہیں ہوں۔ تم سے رخصت ہو کر میں اپنے کمرے میں جانے کی بجائے باہر گئی تھی۔ وہاں ایک ٹیکسی

یہاں واپس آ کر تمہیں لکھ رہی ہوں۔ بات کچھ ایسی ہی ہے کہ میں اس کے بعد یہاں نہ ہر نہیں سکتی۔ میں نہیں جانتی کہ وہ مجھے کہاں لے جائے گا۔ چونکہ یہاں سے شہر تک ایک طویل سنان راستہ ہے۔ اس لئے میں نے اسے یہیں بتایا کہ میں یہاں ابھی ہوں۔ شہر پہنچ کر ہی اسے بتاؤں گی کہ مجھے کسی اچھے ہوٹل میں قیام کرتا ہے اور وہ اس سلسلے میں میری مدد کرے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم یہی ڈرائیور کو علاش کر کے میری رہائش کے بارے میں معلوم کر سکو۔ جو وقت تمہارے ساتھ گذرا ہہترین تھا۔ صفورا۔

”کافی ذہن معلوم ہوتی ہے۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھا ہوا بڑھ رہا۔

”ہوگی..... خواہ مخواہ اُسے یہ غلطی ہی کیوں کروئی کہ میں یہی ڈرائیور کو علاش کرتا پھر وہ گا۔ لیکن آخر یہاں سے کیوں گئی۔ یہاں کنٹریکٹ پر آئی تھی۔ معاہدے کا کیا ہو گا۔“ فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں گھری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

کچھ در بعد اس نے کہا۔ ”دیکھنا ہے کہ تمہاری یہ حماقت میرے لئے کس حد تک کار آمد ثابت ہوتی ہے۔“

حید جوک کر اسے دیکھنے لگا۔ لیکن فریدی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

”میری حماقت..... کیا مطلب.....!“

”اس سے پہلے کبھی میں نے تمہارے ساتھ کوئی بد صورت لڑکی نہیں دیکھی۔ یقیناً..... تم میرا محکمہ اڑانا چاہتے تھے۔“

حید کچھ نہ بولا۔ منتظر تھا کہ فریدی کچھ اور کہے گا۔ لیکن وہ پھر میز کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اتنے میں فون کی گھٹتی بیجی۔ حید فون کی طرف بڑھا ہی تھا کہ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”نہیں۔“

فون کی گھٹتی بیجی رہی اور وہ اس کو اسی حال میں چھوڑ کر کمرے سے باہر آ گئے۔ رابداری سنان نہیں تھی۔ مختلف جگہوں پر کچھ لوگ کھڑے نظر آئے۔ ان میں سے کوئی سگریٹ سلاگارہا تھا کوئی جھکا ہوا جو تے کے اندر پیچر کھجانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کوئی دیوار سے لگی ہوئی کسی پینٹنگ کا جائزہ لیتا ہوا نظر آیا اور حید نے فریدی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔

”کیا ہیں لوگ ہیں۔“ حید نے آہستہ سے پوچھا۔

”ہوں.....!“ فریدی نے سر کو خیف سی جیسش دی اور لفٹ کی طرف جانے کے بجائے زینوں کی جانب چل پڑا۔

زینے بہت اطمینان سے طے کئے گئے۔ لیکن ان کے پیچھے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ لیکن یہیں ہی وہ ڈائیکٹ ہال میں پہنچے حید نے ان لوگوں کو پہچان لیا جو کہ کچھ در پہلے اور پہلے ملے تھے۔

غالباً وہ لفٹ کے ذریعہ سے نیچے پہنچ گئے تھے۔

”اب میں فکر کے مارے پھٹ جاؤں گا۔“ حید نے فریدی سے کہا۔

”تم غالباً آج موڑ سائیکل لے کر نکل تھے۔“ فریدی بولا۔

”شام تھی کہ نکلا ہی تھا۔“

”آسے سیکھ چھوڑو..... میرے ساتھ چلو۔“

”کہیں میں آپ کے مشاغل میں مخل نہ ہوں۔“ حید نے نکل لجھ میں کہا۔

”دماغ خراب ہو گیا ہے۔“

”نہیں..... آج شام سے بے حد رواش نہ ہو رہا ہے۔“

”ذبھی کڑیے جہاڑ دوں گا۔“

وہ عمارت سے نکل کر پارک گل شیڈ تک آئے۔ فریدی نے حید کیلئے لکن کا دروازہ کھولوا۔

”تشریف رکھئے۔“

”آپ نے مجھے پہچان لیا ہے نا..... میں حید ہوں..... ساحد حید۔“

”چل بیٹھ.....!“ فریدی نے اسے دروازے میں دھکا دیا۔

”کیا بات ہوئی.....؟“
 ”عقل کی باتوں ہی نے مجھے سر کے مل کھڑا کر رکھا ہے۔ بدھو ہوتا تو شادی کرتا اور بچے جتنا.....اوہ.....کیا بک رہا ہوں۔“
 ”نیند آرہی ہے نشے بچے کو۔“
 ”آپ مجھے اتنا احتیٰ کیوں سمجھتے ہے
 ”احمق تو ہو.....لیکن اندازے کی غلطی مجھ سے بھی ہو سکتی ہے۔“
 ”میں جلد از جلد گھر پہنچانا چاہتا ہوں۔“
 ”بُس اب گھر ہی چلیں گے۔“
 ”جید پھر اونٹکھنے لگا۔“
 دوبارہ اسی وقت چونکا تھا جب گاڑی رکی تھی۔ آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔ گاڑی اپنی ہی کپاؤ ٹھیٹ میں رکی تھی۔

”اتریے.....نواب صاحب۔“ فریدی کی آواز کان بنکے قریب ہی سنائی دی۔
 ”دشکر یہ.....!“ وہ دروازہ کھول کر اتر اور فریدی کا انتظار کئے بغیر پورچ کی طرف بڑھ گیا۔ پہنچنیں کیوں گاڑی پورچ نکل نہیں لائی گئی تھی۔
 اپنے سونے کے کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بولٹ کیا اور کپڑوں جوتوں سمیت سہری پر ڈھیر ہو گیا اور پھر ذرا ہی کی دیر بعد وہ خراٹے لے رہا تھا۔
 پہنچنیں کیے کیے اوٹ پنگ خواب دیکھا رہا۔ ایک ایسی لڑکی دیکھی جس کا چہرہ آدھا سیاہ تھا اور آدھا سفید۔ چہرہ اس کی طرف بڑھتا آ رہا تھا۔ چہرے کے دونوں روپ جانے پہنچانے سے تھے۔ پھر ہوتوں میں دفتار سوئی کی چھکہ کر رہ گئی۔ اس نے چھٹا چاہا لیکن آواز نہ لکلا۔ البتہ اس چہرے سے کچھ ایسی آواز آئی جیسے گھنٹی بچ رہی ہو۔ تیز قدم کی گھنٹی کان کے پردے چھٹے سے محسوس ہونے لگے اور آنکھ کھل گئی۔ چہرہ غائب ہو چکا تھا۔ لیکن گھنٹی تو اب بھی بجے چارہ ہی تھی۔

گاڑی کپاؤ ٹھیٹ سے نکل کر سڑک پر آ گئی تھی۔
 کچھ دور چلنے کے بعد حمید نے مرد کر دیکھا۔ کسی دوسری گاڑی کے ہیڈ لینپ چکتے ہوئے نظر آئے۔

”غالباً وہیں ہیں۔“ حمید بڑا ایسا۔
 ”جہنم میں جائیں۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔

”کیا مطلب....؟“
 ”مطلوب یہ کہ وہ میرے لئے قطعی بے ضرر ہیں۔ اسے ہمیں ان کی قطعی گلرنڈ کرنی چاہئے۔“

”اپنے آدمی....!“
 ”تمہیں....!“
 ”تو پھر....؟“
 ”کان نہ کھاؤ....!“

”اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟“
 ”گھر....!“ فریدی نے کہا اور حمید نے سوچا کہ اس وقت اسے واضح قدم کی گفتگو پر آناء نہیں کیا جاسکتا۔

پھر راستہ خاموشی سے طے ہوتا رہا۔
 شہر پہنچ کر حمید نے محسوس کیا فریدی یوئی خواہ تجوہ راستے کو طول دے رہا ہے۔ کبھی ایک گلی سے گذر کر دوسری سڑک پر آ لکھا اور کبھی دوسری سے تیسری پر۔۔۔

”کیا چکر ہے....؟“ وہ خواب آ لوادا اواز میں بڑا بڑا۔
 ”نہیں باور تو کرادوں کر میں اس تعاقب سے بے خبر نہیں ہوں۔“
 ”مجھے بھی کچھ باور کر ادیجئے۔“
 ”تم کیا باور کرانا چاہتے ہو۔“
 ”ہمیں کہ میں وہیں چھپلی کا انٹ انہیں ہوں۔“

کئی بارہ وہ اُسے اعلیٰ درجہ کی رومانی ادا کاری کرتے دیکھا تھا۔ اگر وہ اتنا ہی کام بیاب ادا کا بر
ہے تو..... نہیں وہ ادا کاری نہیں تھی۔ حمید کسی طرح بھی اس سلسلے میں اپنے وہن کو مطمئن نہ
کر سکا۔ تھی تو کوئی چیز ایسی جس کی بناء پر وہ اُسے خالص ادا کاری تسلیم کر لیتے نہیں پہنچا رہا تھا۔
”اے بے تو تجھے کیا.....؟“ بالآخر اس نے جلا کر اپنے سر پر دھڑک ریس کیا اور خواب گاہ
میں آکر بیاس تبدیل کرنے لگا۔

تو وہ سے پول ہوٹل میں ہٹھری ہوئی تھی۔ شاکنڈ فریدی نے پچھلی رات ٹھی سے اُس کی
تلائش شروع کر دی ہو گی۔ لیکن کامبیر معلوم ہو جانے کے بعد یہ کوئی ایسا مشکل کام بھی نہیں تھا۔
آدھے گھنٹے کے اندر حمید سے پول جا پہنچا۔ یقیناً صفوراً کا وجود فریدی کے لئے اہمیت
اختیار کر چکا تھا ورنہ وہ اس کی طرف دھیان نہیں کیوں دیتا اور اس اہمیت کی وجہ یہی ہو سکتی تھی
کہ وہ اس کی ہم رقص کے بارے میں کچھ جانتی تھی۔ تو پھر وہ ہم رقص..... جہنم میں جائے۔
حمید نے گردن اکڑا کر سر کو جھکا دیا۔ کرہ نمبر ایک سورتایی اندر سے مغلبل اتھا۔ اس نے
دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”کون ہے؟“ آواز صفوراً ہی کی تھی۔

”رات کا ساتھی۔“ حمید دروازہ سنتے منہ لگا کر بولا۔

”حید... ساجد حمید.....!“ مزید وضاحت طلب کی گئی۔

”ہاں..... وہی..... دروازہ کھلو.....!“

دروازہ کھلا۔ وہ سامنے ہی کھڑی نظر آئی۔ آنکھوں میں عجیب سی چک تھی اور چہرے کی
رگت میں پہلے سے بھی زیادہ گاڑھا پن آ گیا تھا۔ غالباً یہ دفور سمرت کا انتہا رہا۔

”خدا کی قسم.....!“ وہ کانپتی ہوئی آواز میں بوی۔ ”تم ایک مخلص دوست ہو۔ آخر کار
مجھے ڈھونڈھے ہی نکال۔ ورنہ کون ایسی زحمتی مول لیتا ہے۔“

”اچھا..... چیچھے تو ہوئو۔ مجھے اندر آنے دو۔“

”آؤ..... آؤ۔“ اس نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اندر ٹھیک لیا۔

”او..... حرام خور.....!“ وہ مکاتاں کر کون کی طرف بھپٹا۔

”ہاں.....!“ ماڈھ پیس میں دہاڑا تھا۔

”صح کے سماں ہے آٹھ بجے ہیں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اچھا تو پھر.....!“ وہ پہلے ہی کے سے انداز میں دہاڑا۔

”کمرے سے باہر آؤ۔“ تھکمانہ لجھے میں کہا گیا۔

حمد نے رسیور کریٹل پر بیخ دیا اور اب اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔
گھنٹی کی تیز آواز سے جانے پر قابو پانے میں کچھ دریگی اور اس نے میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس
پر نظر ڈالی۔ واقعی سماں ہے آٹھ بجے رہے تھے لیکن سویا بھی تو تھا تین بجے۔

ٹوغا اور کہاں کرے سے نکلا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی ناشتے کی میز ہی پر ہو گا۔ اُسے اخبار
بینی میں صروف ذکیر کر کھکھارا اور اس کے متوجہ ہونے پر یو لا۔ ”باھر ہوم لک جانے کی اجازت
ہے یا پھر میں.....!“

فریدی نے پیشانی پر مل ڈالے اور پھر اخبار پر نظریں جمادیں۔
پھر پندرہ یا بیس منٹ بعد حمید دوبارہ ڈائینگ روم میں داخل ہوا۔ لیکن فریدی اب وہاں
نہیں تھا۔ البتہ وہ اس کے لئے کچھ چھوڑ گیا تھا۔ کاغذ کا ایک لکڑا..... جس کا کچھ حصہ کافی پاٹ
کے نیچے دبا ہوا تھا۔

تحریر تھی۔

”فرزند ارجمند.....!“ اگر تم ہوٹل سے پول کے کمرہ نمبر ایک سورتایی تک پہنچ سکو تو گلی
مرا د کو شگفت پاؤ گے۔ ابھی اور اسی وقت روانہ ہو جاؤ۔“

”ہوں.....!“ وہ نتنے پھلا کر بولا۔ ”تو پتہ لگایا کہ اس نے کس ہوٹل میں قیام کیا ہے؟“
پھر ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے پاپ سلاگاتے ہوئے سوچا۔ آخر پچھلی رات وہ ڈھنی
طور پر اتنا بے مایہ ہو کر کیوں رہ گیا تھا۔ فریدی کو ایک بڑی کے ساتھ رقص کرتے دیکھ کر یہ کیوں
سبھج بیٹھا تھا کہ وہ اپنی ڈگر سے ہٹ گیا ہے۔ کون جانے کوئی بدھکیل ہو۔ اس سے پہلے بھی تو

خکل دیکھ کر کیا کرتا۔ اس لڑکی سے مل بیٹھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ فریدی کو چڑایا جائے۔ اس کے رومان کا مٹھکہ اڑایا جائے۔ حالانکہ پہلے ہی اُسے فریدی کے بارے میں سمجھدی سے کوئی فیصلہ نہ کر لیا چاہئے تھا۔ آخراب اچانک ذہن کو جھٹکا لگا ہی۔

اُسے اس اتفاق پر بُھی بھی آرعنی تھی۔ کیا یہ ضروری تھا کہ جس لڑکی سے وہ خود مکمل ریا تھا فریدی کی ہم رقص کے بارے میں کچھ جانتی ہی ہوتی۔

اور اب یہ معمول ٹکر لیں جو محض تفریح کی خاطر دریافت کی گئی تھی ارجمندی کے کسی اکتادینے والے مسئلے کی طرح حل میں انک کر برد جائے گی۔ واہ روی قسمت۔ اُسے ایک بار پھر اپنی عصی پر غصہ آنے لگا۔ گویا اُس وقت پچوں کا سازہ، ہن ہو گیا تھا۔ جب اُس نے فریدی کی بے راہ روی کے بارے میں سوچا تھا۔ وہ ایسا تو نہیں تھا کہ خواہ خواہ ایک عیاش آدمی کی حیثیت سے اپنی تشریف کرتا پڑتا۔

”کیوں..... کسی طبیعت ہے۔“ فتحا صفورا بولی اور حید اچھل پڑا۔

”کیا تم بھی ڈر گئے ہو.....!“ وہ بہن کر بولی۔

”م..... میں نہیں تو..... بھلا میں کیوں ڈر دیں گا۔“

”میں تو اب یہ سوچ رہی ہوں کہ چپ چاپ اس شہر سے رخصت ہو جاؤں۔“

”آخر کیوں؟ وہ کون تھی؟ تم اس سے کیوں خالک ہو۔“

”میں کچھل رات تھیں اس کے بارے میں بتاری تھی کہ یک بیک میرے ذہن پر خوف مسلط ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ مجھے یہاں سے ہٹ جانا چاہئے۔ حقیقی جلد ممکن ہو۔“

”تو کیا وہ بھی تھیں جانتی ہے۔“ حید نے پوچھا۔

”اجھی طرح..... اس نے مجھے اسی اذیتیں دی ہیں کہ میں ساری زندگی انہیں یاد کر کے لرزتی رہوں گی۔ خلاگوں میں کون ہے جو ”رلانے والی“ کو نہ جانتا ہو۔ اس زمانے میں اس کا گروہ کی ریاستوں پر چھایا ہوا تھا۔“

”گروہ.....؟“

دروازہ بند کر کے وہ حمید کی طرف مڑی۔

”تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔“ حید نے پوچھا۔

”نہیں کوئی نہیں..... لیکن ڈرامیور نے مجھے ہتھیری ریاستوں سے بچالا تھا۔ واقعی تم لوگ بہت اچھے ہو۔ حالانکہ وہ میری زبان نہیں سمجھ سکتا تھا پھر بھی اتنا ذہن تو تھا ہیں تو تھا ہی کہ مجھے یہاں سک لے آیا۔“

”آخر اس طرح بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔ تم کہتے تو میں ہی تمہیں کسی ایسی جگہ پہنچا دیتا، جو ہماری دامت میں محفوظ ہوتی۔“

”اوہ تو تم سمجھ گئے ہو کہ میں پنے کی خوف کے تحت ایسا کیا تھا۔“

”تمہارا خط طمع کے بعد اس کے علاوہ کیا سوچتا۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ بھی یا اگر اسی میں مقیم ہے۔“

”پتہ نہیں۔“ حید نے لاپرواپی سے شانوں کو جبیش دی۔

”تو بیٹھو نا..... کھڑے کیوں ہو۔ یہاں کافی بہت اچھی لمبی ہے۔ شاند خود ہی بلند کرتے ہیں۔“

”ہوں..... اوں.....!“ حید اس طرح کر کی میں ڈھیر ہو گیا جیسے بہت تحکم گیا ہو۔

وہ اُسے چند لمحے پر تشویش نظریوں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ”کیوں طبیعت کیسی ہے تمہاری۔ آنکھیں بند ہوئی جا رہی ہیں۔“

حقیقتاً حید نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کیونکہ وہ اُسے دیکھے بغیر اسکی آواز سننا چاہتا تھا۔

”ہاں..... آں..... درد ہے سر میں..... اتنے بڑے شہر میں کسی ڈرامیور کو ڈھونڈنے

نکالنا کوئی آسان کام تو نہیں۔“

”اوہ..... تم نے میرے لئے بڑی تکلیف اٹھائی۔ اسپر ان لیما پسند کرو گے۔“

”شکریہ..... تھوڑی دیر بعد ٹھیک ہو جاؤں گا۔“

پھر وہ خاموش ہو گئے۔ حید نے بدستور آنکھیں بند کر لیں۔ آواز ہی تو سنبنا چاہتا تھا۔ پھر

چوتھے دن پھر اس نے میرے ساتھ وہی برتاؤ کیا۔ اب کیا بتاؤں۔ مجھے تو اپنی زندگی کی
اندیشیں رہی تھی۔ جب وہ مجھے چاہک سے پیٹھی تھی تو آسکی آنکھوں میں پکھا ایسی ہی طمانیت
نظر آتی تھی جیسے ھلسا دیئے والی گری میں اُس نے کسی بخشنڈے میں شرودب کا پہلا گھونٹ لیا ہو۔

”پھر تم اس کے پنجے سے کس طرح آزاد ہوئی تھیں۔“

”یہ..... یہ تو..... میں بھی یہ بتاؤں گی کی کیوں بھی نہیں۔“ اُس نے کسی قدر رک رک کر
کہا اور حمید نے اس کے چہرے پر جھوپیت کے آثار دیکھے۔ لہذا اُس نے اسی خاص لکھتے پر
مزید گفتگو مناسب نہ سمجھی۔

”کیا اُس زبانے میں بھی تمہاری ایسی ہی شہرت تھی۔“

”شہرت تو نہیں تھی۔ لیکن ایک بار بھی جو میرے گیت سن لیتا تھا پسند کرنے لگا تھا اور
اس وقت لوگ مجھے رینی کے نام سے جانتے تھے۔“

”تو یہ نام..... میرا یہ مطلب ہے صورا..... تم نے خواہ اختیار کیا ہے۔“

”ہاں..... یہ میرا پروفائل نام ہے ورنہ گفرنٹ اے تو اب بھی رینی ہی کے نام سے
پکارتے ہیں۔“

”تب تو پھر پروگرام میں تمہارا نام دیکھ کر اس عورت نے تمہاری طرف دھیان ہی نہ دیا ہو گا۔“

”صورت تو یاد ہو گی اب ہے۔ کیونکہ اس نے مجھے بڑی اذیتیں دی ہیں۔ میں سوچتی ہوں
آخر یہاں اس کی موجودگی کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔“

”ہو گا کچھ..... ہمیں اس سے کیا سر و کار..... میں تو دراصل اپنا وعدہ پورا کرنے آیا ہوں
تمہیں شہر دکھانا ہے۔“

”کیا یہ ممکن ہے.....!“ اُس نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میرے لئے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔“

”وہ کس طرح.....؟“

”تم تو اس سے بڑی طرح خائیف معلوم ہوتی ہو۔ جیسے وہ کوئی خبیث روح ہو۔“

”ہاں..... وہ ایک بہت بڑے گروہ کی سربراہ ہے۔“

”وہ گروہ کس قسم کا تھا.....!“

”ویسا ہی جیسے وہاں عام طور پر ہوتے ہیں۔ قمار خانے چلانے والے، مٹیات کی ناجائز
تجارت کرنے والے، اور اس عورت نے تو شائد قبہ خانے بھی قائم کر رکھے تھے۔ بڑے بڑے
غثثے کا پیٹے مجھے اس کے نام سے۔ میں نے نہیں کہ اس کے ذریعہ اقتدار میں شکا گو کے
دوسرے چھوٹے موٹے گروہ ٹوٹ کر اسی کے گروہ میں ضم ہو گئے تھے اور جنہوں نے اس کی
اطاعت قبول نہیں کی تھی اسی نہ صرف ٹکا گو سے بلکہ ان ریاستوں سے بھی منہ موبز لیا۔ پڑا تھا
جہاں جہاں اس کا اثر ٹھا۔“

”اپنے تم کیسے پھنس گئی تھیں.....؟“

”وہی تو بتاری تھی پچھلی رات کو..... وہ بوڑھا آدمی مجھے کسی طرح بریس میں بکھتے
نکال لے گیا تھا۔ دو دن تک اس نے مجھے ادھر ادھر چھپائے رکھا پھر میں اسی ”رلانے والی“

کے سامنے پیش کر دی گئی تھی۔ مجھے یاد پڑتا ہے اس رات وہ بھی تھی کیفے میں.....؟“

”نام کیا ہے اس کا.....!“

”یہ تو مجھا آج تک نہیں معلوم ہو سکتا۔ وہ آسے رلانے والی ہی کہتے تھے۔“

”اچھا تو پھر تم اس کے سامنے پیش کر دی گئیں۔“

”اُس نے مجھ پر نظرت آنگز نظریں دا لیں تھیں اور کہا تھا کہ میں اسے پکھا گا کر سناؤ۔
لیکن کرو..... توہ رات بھر وہیں پیٹھی شراب بیچتی رہی تھی اور میں گاتی رہی تھی۔ اسی اذیت پسند

عورت آج تک میری نظروں سے نہیں گزری۔ صبح ہوتے ہوئے اس نے مجھ سے کہا کہ اپنے

سارے کپڑے اٹا رہوں۔ مجھے غصہ آگیا اور میں مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئی۔ لیکن اُس کے دو

آدمیوں نے اس کے حرم کی قیمتیں کی اور پھر جب میں سکڑی سہنی خود کو چھپانے کی کوشش کر رہی

تھی اس نے مجھے چڑے کے چاہک سے مارنا شروع کیا۔ میرا پورا جسم لہو لہاں ہو کر زہر گیا تھا۔

پھر تین دن تک میری حمار داری ہوتی رہی تھی۔ ابھی پچھلے ہی زخم نہیں مندل ہوئے تھے کہ

کے ایک ماہر فنیات نے اس کے متعلق بہت کچھ بتایا تھا۔“

”اچھا فرض کرو وہ تمہیں پہچان بھی لئی ہے تو..... کیا تم یہ بھتی ہو کہ وہ یہاں بھی تمہارے ساتھ کوئی ایسی حرکت کر سکے گی۔“

”سوال تو یہ ہے کہ وہ یہاں کیا کر رہا ہے۔“

”نوادرات کی تلاش میں آئی ہوگی۔“

”کیا اپنی اصلی حیثیت میں..... کیا تمہاری حکومت ایسے بدنام افراد کو ملک میں داخلے کی اجازت دے دیتی ہے۔ وہ اپنے صحیح نام اور پتہ کے ساتھ تو یہاں ہرگز نہ آئی ہوگی۔ تب پھر وہ کس طرح پسند کرے گی کہ یہاں کوئی اس کی اصلیت جاننے والا بھی موجود ہو۔“

حمدی نے تھیسی انداز میں سر کو جبکش دی اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”اچھی بات ہے۔“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”میری دانت میں تمہاری احتیاط حق بجانب ہو گی۔ اب میں دیکھوں گا کہ تمہیں اس شہر کی بیرکش طرح کراں جائے۔ لیکن تم اس کٹریکٹ کے بارے میں کیا کرو گی۔“

”میں نے رات ہی نیا گردہ کے خیبر کوفون کر دیا تھا کہ میں شہر میں ہی ہوں۔ صبح فون کیا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں اس لئے شام میں شام کو وہاں نہ پہنچ سکوں۔“

”اگر وہ تمہاری عیادت کو دوڑا آیا تو.....!“

”دردسر کو آج تک کون دیکھ سکا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں تمہیں جلد ہی بتاؤں گا کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے۔“ حمدی اٹھتا ہوا بولا۔

”اوہ..... تو کیا جا رہے ہو۔“

”ہاں..... آں..... مجھے کچھ کرنا ہے اس سلسلے میں۔“

”کیا کرو گے۔“

”میرا ایک دوست پولیس آفیسر ہے۔ اس نے تھوڑہ کروں گا۔ لیکن میں یہ بھی تو نہیں جانتا کہ اس کا قیام کہاں ہے۔ نیا گردہ میں تو نہیں ہو سکتا کیونکہ تم وہاں پروگرام میں حصہ لیتی

”یقین جانو میں بھی بھتی ہوں۔“

”ارے بن.....!“ حیدر گردن جھٹک کر بولا۔

”ویسے تم بہت اچھے ہو۔ یقیناً تمہیں موسیقی سے سچا لگا ہے۔ ورنہ تم کیوں میرے لئے اتنی تکلیف برداشت کرتے۔“

”کیا تم یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہو کہ نیو ڈنی عورت ہے۔“

”جس طرح کہ میں اپنے بارے میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ میں رینی ہوں صفوراً ہوں۔“

”ہوں.....!“ حیدر نے پر تھکڑا انداز میں سر کو جبکش دی۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر

بولا۔ ”قرض کرو..... وہ تمہیں دیکھ پائے اور پہچان لے تو کیا ہو گا۔“

”وہ..... وہ مجھے جان سے مار دا لے گی جیسا کہ دوسروں کے ساتھ کرتی تھی۔“

”اوہ..... تو کیا دوسروں کے ساتھ بھی۔“

”وہ کچھ کوئی خبیث روح ہے۔ تم یقین نہ کرو۔ لیکن کیونکہ تم اس کا مخصوص چہرہ دیکھ چکے ہو۔ اس کے صہن سے متاثر بھی ہوئے ہو۔ کیونکہ تم نے ہی میری توجہ اس کی طرف مبذول کرائی تھی۔ ازانے والہ پتہ نہیں کیا ہے۔ جس آدمی کے ذریعہ مجھے اس کے پنجے سے رہائی ملی تھی پھر زدہ بھی نہ ہاں نہیں رکھا تھا۔ میکسیکو بھاگ گیا تھا۔ وہ اس کی بوئیاں اڑا دیتی۔ میں نے ایک خوبصورت نوجوان کا انجام اپنی آنکھوں سے خود دیکھا تھا۔ اس نے اس کے کپڑے اتروا دیئے تھے اور چاپک لے کر زپل پڑی تھی۔ اس کے تین گزرے روایا اور تانے کھڑنے تھے۔ نوجوان پٹ رہا تھا۔ جسم سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے جب تک ہوش میں رہا تھا۔ چاپک پڑتے رہے تھے۔ پھر تیرنے دن میں نے سا کہ وہ مر گیا۔ مجھے رہائی دلانے والے نے بتایا تھا کہ وہ درجنوں لاکیوں اور نوجوانوں کو اسی طرح ختم کر چکی ہے۔“

”آخر اکار کا مقصد کیا تھا۔“

”اذیت پسند طبیعت کی تکیں۔ کیا تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ مجھے تاہرہ

رعنی ہو۔ کبھی نہ کبھی تو اس نے تمہیں ذیکھا ہی ہوتا اور تم بکون سے نہ رکھتیں۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن اُسے کہاں تلاش کرو گے۔“

”مگر نہ کرو۔ اپنے کمرے ہی مک محدود رہنا۔“ حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

”میں منت بعد دفتر میں فریدی کو پورٹ فرنے زیاد تھا۔

”وہم ہے اس کا۔“ فریدی اختمام پر مسکرا کر بولا اور پھر سامنے پڑے ہوئے فائیل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”جی۔۔۔ یعنی کہ.....؟“

”میں نے بے شمار ہم شکل دیکھے ہیں۔“

”اللہ رحم کرے آپ انکے حال پر!.....!“ حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ٹھنڈی سائنس لی اور تیزی سے مزکر کرتے سے نکلنے بھاگا۔

وہما کہ

وہ سمجھا تھا شائد فریدی اُسے صورا کے بارے میں کچھ ہدایات دے گا۔ لیکن یہاں تو بات کرنے کی گنجائش نہ رعنی تھی۔ پھر آخر اس نے یقینی ڈرائیور کو ڈھونڈنے کی رسمت کیوں کوارا کر لی تھی؟

اگر صورا جھوٹی تھی تو اس جھوٹ کی ضرورت پر بھی غور کرنا لازم تھا۔ آخر اس نے اس کے سلسلے میں اتنا برا جھوٹ۔۔۔ نہیں یہ ناممکن ہے۔ یہ جھوٹ نہیں، وسلکا۔ لہذا ایک بات ہو سکتی ہے کہ پرانی عادات کے مطابق حضرت اُسے اندر ہرے ہی میں رکھنا چاہئے ہیں۔ ابھی بات ہے جناب آپ بھی دیکھی ہیں گے۔ حمید کے ذہن میں وہی قدم چھپکی کلبائی تھی، جو اکثر

اوہ اُسی دن پھر صفورا سے ملا۔

”ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں۔“ اُس نے اُس سے کہا۔

”میں نہیں سمجھی۔۔۔“

”ہم معلوم کریں گے کہ وہ کہاں رہتی ہے۔“

”ہم سے کیا مراد ہے تمہاری..... کیا میں بھی۔“

”بالکل..... بالکل..... لیکن وہ ایک فٹ کے فاصلے سے تمہیں نہ پہچان سکے گی۔“

”بھلا دہ کیسے؟۔۔۔“

”میک اپ....!“

”ایسا میک اپ.....“ صفورا کے لیجے میں حیرت تھی۔

”ہاں..... ہاں..... ہم دونوں ہی کی شکلیں تبدیل ہو جائیں گی۔“

”کیا تمہیں اس میں دخل ہے۔“

”ماہر ہوں..... ماہر.....!“ حمید اکٹھ کر بولا۔ دراصل میں اٹھ ایکثر ہوں۔ اکثر قلموں

میں بھی میں نے اپنا میک اپ دیا ہے۔“

”سب تو بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔ میں ایک غیر ملکی ہوں۔“

اگر پولیس کو علم ہو گیا کہ میک اپ میں ہوں تو مجھے ضرور جواب طلب کر لیا جائے گا۔

”میرا وہ دوست..... پولیس آفیسر پھر کب کام آئے گا۔ تم مطمئن رہو۔ ذر نہیں۔ میں اسی

کے مشورے سے ایسا کرنے جا رہا ہوں۔ میں نے اُسے بتایا تھا۔ اُسے بھی تشویش ہو گئی ہے۔“

”تب تو پھر ٹھیک ہے۔ اس طرح گویا میں یہاں کی پولیس کی مدد کروں گی۔“

”بالکل..... بالکل.....!“

”پچھے نہیں کیسی شکل بناوے میری۔“

”بناوں گا نہیں..... بدلوں گا۔“

کے لئے کہا۔ پھر جب حمید آن دونوں کی طرف مڑا تو صفورا کی آنکھیں حرمت سے پھیلی رہ گئیں۔ کیونکہ اتنی دیر میں حمید پہنچا وہ زیبی میڈ میک اپ استعمال کردارا تھا جو ہر وقت ہی جب میں پڑا رہتا تھا۔ یعنی وہ اسپرگ جو ناک کے تھنوں میں فوری طور پر فٹ کئے جاسکتے تھے۔ ناک کی نوک اور پری ہوتی سمیت اور پر اٹھی چلی گئی تھی اور سامنے کے دانت دکھائی دینے لگے تھے۔

نیا گرہ کا استثنی شیخرا سے پرتوشیش نظروں سے دیکھتا ہوا بیٹھ گیا۔ صفورا نے شاند اس کے ذہن میں پیدا ہونے والے سوال کو پڑھ لیا تھا۔ اس لئے جلدی سے بولنے۔

”یہ مسٹر احمد ہیں..... میر لے پن فرینڈ..... تین سال سے انہیں جانتی ہوں لیکن ملاقات کل ہی ہوئی تھی۔ خط و کتابت کے ذریعے غیر ملکیوں کو دوست بنانا میری ہابی ہے۔“

”دچپ ہابی ہے۔ میں سعید ہوں۔“ اس نے حمید کی طرف ہاتھ پر رحماتے ہوئے کہا۔ حمید مصافیہ کرتے وقت آہستہ سے کچھ بڑا بڑا یا ہے وہ دونوں سو نہ سکے اور پھر چند رکی باقتوں کے بعد کاروباری گفتگو شروع ہو گئی۔ حمید خاموش بیٹھا رہا۔ صفورا شیخرا سے کہہ رہی تھی وہ کم از کم تین دن قطعی آرام کرنا چاہتی ہے۔ استثنی شیخرا کہہ رہا تھا کہ وہ صرف خبریت دریافت کرنے آیا ہے۔ اس کی خواہش شیخرا تک پہنچا دے گا اور شیخرا عی اس کا فیصلہ کر سکے گا کہ وہ تین دن آرام کر سکتی ہے یا نہیں۔“

دل منٹ بعد وہ اٹھ کر چلا گیا اور صفورا پھر پہلے ہی کے سے تھیرانہ انداز میں حمید کی طرف متوجہ ہوئی۔

”تم تو حرمت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہو۔ بھلا آتی جلدی یہ کیتے ہو۔“

”کہاں..... کیا ہوا.....؟“ حمید نے کہا اور ناک سہلانے کے بہانے ہاتھ اور پلے گیا اور پھر ہاتھ ہٹا ہے چرے سے تو سب معاملہ ٹھیک ٹھاک ہی تھا۔

”ارے.....!“ وہ اچھل پڑی۔

”کہیں مجھے بھی کوئی خبیث روح نہ سمجھ لیتا۔“

”رنگت بھی بدلتے گے۔“

”میرا بابا پہلی نہیں بدلتا۔“

”پھر.....؟“

”ارے صرف خدو خال بدلوں گا۔“ بس تم اس حیثیت سے پچانی نہ جاسکو گی جس میں اس نے تمہیں دیکھا تھا۔“

”تم اپنی شکل کیوں بدلو گے.....؟“

”ارے تم اتنے بہت سے سوالات کیوں کر رہی ہو۔“

”میں سمجھ گئی۔“ اس نے مضھل سی آواز میں کہا۔ ”تم ایک کالی لڑکی کے ساتھ دیکھا جانا پسند نہیں کرتے۔“

”میں تو کلوٹیوں کے ساتھ دن ہونا بھی پسند کروں گا۔“

”تو غصہ کیوں آرہا ہے.....؟“

”ارے بابا رے۔“ حمید اردو میں بڑبڑا۔ ”میرے سر پر سوار ہو جانے کی کیا ضرورت ہے۔“

”دیکھو..... دیکھو..... اپنی زبان میں سمجھے برا بھلا کہر ہے ہوں تمہیں یقیناً غصہ آرہا ہے۔“

”اب آجائیے گا ورنہ خاموش رہو۔ میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔“ حمید نے انگریزی میں کہا۔

”چھا تو سوچو.....!“ وہ بے بی نے بولی اور حمید یہ سوچنے لگا کہ وہ کچھ بچا لکن انہوں کا پٹھا ہے۔ کیا ضرورت ہے کہ اس حیثیت میں پڑا جائے۔

”دفعتا کسی نے دروازے پر دھک دی۔“

”کون ہے۔“ صفورا بوكھلا کر رہی تھی ہوئی بولی۔

کسی نے باہر سے کچھ کہا اور وہ حمید کی طرف جک کر آہستہ سے بولی۔ ”نیا گرہ کا

استثنی شیخرا معلوم ہوتا ہے۔“

حمدید بھی اٹھا اور دیوار کی طرف مڑ گیا۔ صفورا نے دروازہ کھول کر آنے والے کو اندر آنے

”قطی..... اور ان کی ٹوہ میں بھی نہ رہنا سمجھے۔“

”بہت بہتر جتاب..... کیا آپ تشریف نہیں لارہے۔“

”ہرگز نہیں..... کیونکہ میری تشریف آوری تمہارے لئے مصیبت میں بن جاتی ہے۔“

”جیسی جتاب کی مرضی..... اور کچھ.....!“

”دبی شکریہ۔“

اس کے بعد اس نے خود پر کسی فلنجنی کا میک اپ کیا تھا۔ پلاسٹک میک اپ جس سے آنکھوں کے نیچے کا حصہ بالکل سپاٹ ہو گیا تھا۔

”واقعی..... تم ماهر ہو۔“ صفورا نے کہا۔

”اب تم روزی ہو اور میں مسٹر سانگ فی..... میرا نام نہ بھولنا۔ سانگ فی اور تم روزی..... ہم انگلش ہی میں گفتگو کریں گے۔ بس اب تیار ہو جاؤ۔“

پھر وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر ہائی سرکل کی طرف روانہ ہو گئے۔

حید سوچ رہا تھا کہ پچھلی شام پیزاری اور اداہی لے کر آئی تھی لیکن اس وقت ذہن کی کیا کیفیت ہوئی چاہئے۔ کیا اب وہ کتوں کی طرح بھونکنا شروع کر دے۔ تمہائی اگر اسی طرح ر斧 ہوتی ہے تو ایسی زندگی کو سات سلام..... بہر حال یہ بلا خود ہی اپنے گھے ذاتی تھی لہذا بھلگان تو ہو گا ہی۔

ہائی سرکل کے ڈائینگ ہال میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے فنجر سے ملاقات ہوئی۔

”جناب عالی..... ابھر تشریف لا لیئے..... اس میز پر..... اگر آپ عزت مآب کیپن حید کے مہمان ہیں۔“

”ہاں..... ہاں.....!“ حید بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور پھر انہوں نے اس کی بتائی ہوئی میز پر بقدر کر لیا تھا۔

”یہ کس کیپن حید کا حوالہ دے رہا تھا۔ کون تھا.....؟“

”وہ اس کلب کا فنجر ہے۔“ حید نے جھنجلا کر کہا۔ ”اس نے اسی پلیس آفیسر کا حوالہ دیا۔“

”خدا کی قسم مجھے جرت ہے۔ بھلا اس طرح اوپر کا ہونٹ ناک سیست کیسے اٹھ سکتا ہے۔“

”تم کوش مت کرنا۔ تمہارا ہونٹ پہلے پی کافی اٹھا ہوا ہے۔ ناک غائب ہو جائے گی۔“

”غمیں مجھے بتاؤ۔ یہ تم نے کیسے کر لیا تھا۔“

”جب تم ہماں سے واپس جانے لگو گی سب کچھ بتا دوں گا۔“

”میں الجھن میں رہوں گی۔“

”اس طرح کم از کم مجھے یاد تو رکھو گی۔“

”کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں یاد رکھوں۔“

”ہاں.....!“ حید پھر جھلا گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آج اس قسم کے رومنٹک جملے اس کی زبان سے کیوں نکل رہے ہیں۔

”آج تمہارا مراج کس قسم کا ہے۔ میں سمجھ ہی نہ سکی ابھی تک۔“

”نہ سمجھنا حقیقی ہے۔ پھرے سال ایک لڑکی نے سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ لہذا آج کل وہ کچھ دری تک تو بھوکتی رہتی ہے اور پھر کاشنے بھی دوڑتی ہے۔“

”وہ اس طرح منہ کھولے اسے دیکھتی رہی جیسے بات سمجھ ہی میں نہ آئی ہو۔“

”اس دن حید پھر فریدی سے نہیں ملا تھا۔ شام ہونے کا منتظر رہا۔ میک اپ میں صفورا کی شکل بالکل ہی بدل کر رہا گئی تھی۔“

شام کو اس نے بھیت کیٹھنی حید ہائی سرکل کے فنجر کو فون کیا۔

”دیکھو دوست! میرا ایک معزز فلنجنی دوست ایک افریقی لوکی کے ساتھ آئے گا۔ اتنا ہی اثر و کشن کافی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم کسی فلنجنی کو بیچان نہ سکنے کا عذر کر سکو لیں کسی ہیاہ فام تک گریں کو تو لاکھوں میں شناخت کر سکو گے۔“

”کیا مجھے ان کے ساتھ کسی خاص قسم کا بہتراؤ کرنا ہے۔“ فنجر نے پوچھا۔

”نہیں..... بس تم ان سے یہ نہ پوچھو گے کہ وہ کس باقاعدہ مجرم بر کے ساتھ آئے ہیں۔“

”کیا یہ سرکاری حکم ہے۔“

”کیا تم نہیں پیو گے؟“

”جب تک مجبور اپنے پاٹھا پیتا رہا تھا اس کے بعد سے تو پھر اس سے شوق نہیں کیا۔“

”چیز ہے روزانہ ایک گلاں ضرور پیا کرو۔“

حمدید رہا سامنہ بنا کر رہ گیا۔ کچھ بولانا نہیں۔

ملک فیک آیا۔ وہ ٹینی رعنی اور حمید سوچتا رہا کہ وہ حق مجھ چھڑ ہے۔ جس کیلئے یہ سارا کھڑاگ کیا اسے ذرہ براہ بھی پرواہ نہیں۔ حدیہ ہے کہ اس عورت کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتایا۔ اُس نے طویل سانس لی اور صدر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ غالباً چھٹی حس عی تھی دیا اور سوچا اے پاک پروردگار جو عذاب خود ہی اپنے اپرہنائزل کیا جائے اس کے لئے کس جس نے صدر دروازے کی طرف دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔ ورنہ اُسے کیا پتہ کہ وہ عورت ہال میں داخل ہو رہی ہے۔

حمدید سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

عورت کے ساتھ وہی مرد نظر آیا جو بچھلی رات اُسے نیا گھر سے گھیٹ لے گیا تھا۔

بس وہی دونوں تھے آگے بیچھے اور کوئی نظر نہ آیا۔ ہو سکتا ہے اُن کے لئے میر پہلے ہی سے مخصوص رعنی ہو کیونکہ وہ کسی کی رہنمائی کے بغیر ہی اُس میز تک جا پہنچ ہے۔ فاصلہ حمید کی میز سے زیادہ نہیں تھا لیکن اب تھے قریب بھی نہیں تھے کہ وہ اُن کی نگلوں سکتا۔

غالباً یہی خان وجاہت ہے، حمید نے سوچا۔ آدمی ٹیڑھا معلوم ہوتا ہے۔

عورت کچھ اکتنی اکتنی سی نظر آرہی تھی۔

”تم اُسے اس طرح نہ گھورو۔۔۔!“ حمید نے صورا سے کہا اور وہ چونک کر پھر ملک فیک کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”میں انگاروں پر کھڑی ہو کر کہہ سکتی ہوں کہ یہ ”رلانے والی“ ہی ہے۔“

”میرا دل کھنچا جا رہا ہے اس کی طرف۔“ حمید بڑا یا۔

”خدا کے لئے اپنی آنکھیں بند کرو۔ مت دیکھو اس کی طرف۔“

”ارے واه۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی۔“

”خا جس کی ہم مدد کر رہے تھے اور کیا پوچھنا ہے۔ سب کچھ ایک ساتھ پوچھ لو۔“

”تم خفا کیوں ہو رہے ہو۔“

”کچھ نہیں۔۔۔ سب تھیک ہے۔“

”تم نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔“

”دل کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“ حمید بے بُی سے کہا۔

”پتہ نہیں تم کیا سوچ رہے ہو۔ کیا کہہ رہے ہو؟“

”بلیں تم بولے جاؤ۔ مجھ سے جواب نہ طلب کرو۔“ حمید نے آنکھیں کھولے بغیر جواب دیا اور سوچا اے پاک پروردگار جو عذاب خود ہی اپنے اپرہنائزل کیا جائے اس کے لئے کس سے فریاد کی جائے اور کس منہ سے کی جائے۔

”میں ملک فیک پیوں گی۔“

”وہی کی لئی مغلوؤں۔“ حمید نے جعل کر پوچھا۔

”یہ کیا چیز ہے۔“

”یہاں کا خاص مشروب ہے جسے پی کر آدمی خود کو چھڈھسوں کرنے لگتا ہے۔“

”مغلد۔۔۔ کیا چیز ہے۔“

”مغلد نہیں۔۔۔ چھڈ۔۔۔!“ حمید نے جلا کر صحیح کی۔

”چلو وہی سکی۔۔۔ کیا چیز ہے۔“

”میں چھڈ ہوں۔“

”ہو گا۔۔۔ مجھے کیا۔۔۔ تم پتہ نہیں کیوں غصے میں بھر گئے ہو۔“

حمدید نے اپنا دماغِ خمنہا کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ آخر اس بے چاری کا کیا

قصور۔۔۔ خواہ خواہ جلا ہٹ کا مظاہرہ کیوں کیا جائے۔ وہ خود ہی تو اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ تو

نہیں آئی تھی اس کے پاس۔

اس نے دیڑ کو بلا کر صرف ایک گلاں ملک فیک کے لئے کہا۔

”سکال کرتے ہو۔ مطلب یہ کہ وہ خبیث اسے دیکھ کر مسرو نظر آنے لگی ہے۔ لیکن اس کے ساتھی کی آنکھوں میں کینہ اور غفرت ہے۔“

”ارے تو پھر میں کیا کروں۔“ حمید روانی آواز میں بولا۔ ”کوئی میں نے ٹھیک لیا ہے سارے زمانے کا۔“

”ارے.....اب تم اپنا مودہ ٹھیک کر لو، ورنہ میں اٹھ کر چلی جاؤں گی۔“
حمدی نے طویل سانس لی اور خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر اس نے سوچا کہ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے کے لئے یہاں نہیں آیا۔ لہذا پھر ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اب فریدی اور خان وجہت بر اور راست ایک دوسرے کو گھوڑا ہے تھے۔ حمید نے محض میں کیا کہ عورت خان وجہت ایک توجہ اس کی طرف سے ہٹانے کی کوشش کر رہی ہے۔ بار بار وہ اس سے کچھ کہتی لیکن وہ صرف سر ہلا کر رہ جاتا۔ لیکن آنکھیں بدستور فریدی کے چہرے ہی پر جمی ہوئی تھیں۔

نہ جانے کیوں حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے دو بچوں کے درمیان پلکش نہ جھپکانے کا مقابلہ شروع ہو گیا ہو۔

”چلو یہاں سے.....!“ صفوراً حمید کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مفطر بانہ انداز میں بولی۔ ”یہ دونوں ہی خوفناک معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں یقیناً جھگڑا ہو گا۔“

”خاموش بیٹھی رہو۔“

”میں کہتی ہوں۔“

”چپ رہو..... جب ان دونوں کے درمیان جھگڑا شروع ہو گا، میں اسے باسانی اٹھا لے جاؤں گا۔“

”کس کو!“

”اُسی عورت کو..... من پر ہاتھ رکھوں گا اور کاندھ پر اٹھا کر لے جاؤں گا۔“

”ارے..... تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ ہوش میں آؤ۔“

”مت بھولو کر تم ایک پولیس آفیسر کے بھیجے ہوئے یہاں آئے ہو۔“

”بُس بُس اب اُس کا نام نہ لیتا۔“

”اللہ رحم کر.....!“ صفوراً گزر گئی۔ ”اس خبیث عورت سے ہر ایک کو دوڑ رکھ۔“

”میرا دل چاہ رہا ہے کہ اس کے ساتھی کو کری سے دھکیل کر خود اس کی جگہ بیٹھوں۔“

”تم چلو یہاں سے اٹھو.....!“

”یہاں جاؤں.....!“

”کہیں بھی چلو..... لیکن یہاں نہیں بیٹھیں گے۔ میں آتنے ابھی دوست کی بہوت کے میں جاتے ہوئے شذ کچھ سکون گی۔“

”ارے تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ مجھے وہ عورت بہت اچھی لگتی ہے۔“

”جھی بات ہے۔“ صفوراً طویل سانس لے کر بولی۔ ”تم مجھے اُس پولیس آفیسر کا اور پتہ بتاؤ۔ میں خود اس سے مل کر گفتگو کروں گی۔“

حمدی کا دل چاہا کہ فریدی کا نام اور پتہ لکھ کر اُس کے خواہ کرنے لیکن پھر یہ سوچا

ہے۔ اس نے باز رہا کہ کہیں لینے کے ذمے نہ پڑ جائیں۔ پڑھیں کیا چکر تھا۔ ہر خال وہ اس عورت کو دیکھا ہی رہا اور صفوراً اس سلسلے میں اپنی پریشانی کا اٹھا کر تی رہی۔

”ارے بُس کرو..... زندہ رہنے کو ڈگی مجھے یا نہیں۔“

”میں پھر کہتی ہوں۔ اس کی طرف سے نظر ہٹالو۔“

حمدی جھنگلا کر کچھ کہنے لیں والا تھا کہ فریدی نظر آیا۔ وہ تھا ہی تھا اور اس نے دونوں

قریب ہی کی ایک میز منتخب کی۔ حمید نے عورت کے چہرے پر تغیر دیکھا۔ ایسا محسوس ہوا ب

کہ یہ کھل اٹھی ہو۔ اس کے ساتھی کی بھنویں تی ہوئی تھیں۔ یہ سازے تغیرات کچھ

واضح قسم کے تھے کہ صفوراً نے بھی انہیں محسوس کر لیا تھا۔

”یہ کون ہے؟“ اس نے حمید سے پوچھا۔ اشارہ فریدی کی طرف تھا۔

”دُوڑ کر پوچھا آؤں؟“

”حق لڑکی..... تم اس لے چاہے کا جو گی..... اخراج موجی اپنا یانہیں۔“

”نہیں..... نہیں..... میں کسی زحمت میں نہیں پڑنا چاہتی۔“ صفورا کی آواز خوف کے مارے کاپ رعنی تھی۔

اب حمید ان کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ خان و جاہت اُس عورت سے گفتگو کر رہا ہے۔
لیکن فریدی اب بھی اُس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

”یہ آدمی کون ہو سکتا ہے۔“ صفورا پھر بڑھا اپنی۔

”کس آدمی کی بات کر رعنی ہو۔“

”وہی جو تھا ہے اپنی میز پر۔“

”میں نہیں جانتا۔“ حمید نے لاپرواٹی سے شانوں کو جبش دی۔ ”تم آج خراب اُس کے پہچے کیوں پڑ گئی ہو۔“

”اس کی آنکھیں عجیب ہیں..... ایسا لگتا ہے جیسے اُسی بات کی پرواد ہی نہ ہو۔“

”ہوں.....!“ حمید غرایا۔

”کیوں؟ کیا بات ہے۔“

”میں اپنے پاس بیٹھنے والی لڑکی سے کسی دوسرے کی آنکھوں کے بارے میں کچھ سننا پسند نہیں کرتا۔ کیا تمیری آنکھیں عجیب نہیں ہیں۔“

”ارے واہ..... یہ کیسی باتیں شروع کر دیں تم نے..... میں تو یہ کہہ رعنی تھی..... کچھ اس قسم کی آنکھیں ہیں جنہیں خوفناک بھی کہا جاسکتا ہے۔“

”خوفناک پوہ..... اس کی آنکھیں تو اسکی ہیں جیسے ابھی ابھی بیہی بیٹھے بیٹھے سو جائے گا۔“

”خدا کی پناہ..... کیا تم ایسکی آنکھوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ میں نے زوالینڈ کے ایک ظالم و جابر بادشاہ ”چاکا“ کی تصویر دیکھی تھی۔ ایسی ہی آنکھیں تھیں۔ بالکل ایسی ہی آنکھیں..... آنکھوں کی یہ یقینیت خون کی پیاس کا پتہ دیتی ہیں۔“

”لیکن یہاں تو وہ تمہاری ہی طرح ملک شیک پیتا نظر آئے گا۔“

”اوہ..... دیکھو..... وہ شاید اٹھ رہا ہے۔“ صفورا مضطربانہ انداز میں یولی۔

حمدی نے دیکھا۔ فریدی بچ بچ اٹھ گیا تھا۔ حمید نے اُسے صدر دروازے کی طرف جاتے دیکھا۔ پھر یہ بھی دیکھا کہ عورت کے چہرے پر کسی قدر اضطراب پیدا ہو گیا ہے۔

عورت اور خان و جاہت وہیں بیٹھنے رہے۔ فریدی صدر دروازے سے گذر کر باہر جا چکا تھا۔

”میں کہتی ہوں..... اب تم بھی چلو یہاں سے۔“ صفورا بولی۔ ”ہم آخراں کی قیام گاہ کا پہنچا کر کریں ہی گے کیا۔“

”میں نے آج بہت منت کی ہے۔ بہت وقت بر باد کیا ہے۔ لہذا سچھہ نہ کچھ تو ہونا ہی چاہئے۔“

”چھوڑو بھی۔ تم نے مجھے شہر کی سیر کرانے کو کہا تھا۔“

”میری بات بھخت کی کوشش کرو۔ تمہارے ہی مشورے سے میں نے اس کا تذکرہ اپنے اُس دوست پولیس آفیسر سے کیا تھا۔ لہذا اس وقت میں اسی کے لئے کام کر رہا ہوں۔ تم چاہو تو اپنے ہوٹل واپس جا سکتی ہو۔“

”تم نے یہ خطرہ میری وجہ سے مول لیا ہے۔ لہذا میں ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔“

”تمہاری مرغی..... اچھا میں دس منٹ میں آیا۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔

”کہاں چلے..... کیا میں تھا بیٹھوں گی۔“

”صرف دس منٹ..... ایک ضروری کام۔“

پھر وہ اُس کی بات سننے کے لئے وہاں رکنہیں تھا۔ باہر آیا۔ کپاٹوٹ کے باہر سڑک کے کنارے تھوڑے فاصلے پر ایک پیلک ٹیلی فون بو تھا۔ یہاں سے ہائی سرکل سے نیبر کے نمبر ڈائل کئے فوراً ہی جواب ملا۔

”میں حمید یوں رہا ہوں ڈیر۔“ اس نے ماٹھ پیس میں کہا۔

”اوہ..... آداب بجا لانا ہوں جتاب۔ آپ کے مہمان بہت خوش ہیں۔ کہتے اور کوئی

خدمت میرے لائق۔ کچھ دیر پہلے جناب کریم صاحب بھی تشریف فرماتھ۔ اب تشریف سے کچھ۔ خان وجاہت اور وہ محترمہ ایسی یہاں موجود ہیں۔“

”مجھے ان سے کوئی بچپن نہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”تمہیں تھوڑی تکلیف اور دوں گا۔ تمہاری گاڑی غالباً پارکنگ شیڈ میں موجود ہے؟“

”موجود ہے عالی جناب۔“

”اس کی کنجی اگریشن میں موجود ملنی چاہئے۔ شاید میرے مہمان اُسے کچھ دیر کے لئے استعمال کریں۔“

”مم.....مگر جناب.....!“

”فلرنہ کرو..... ذمہ داری میری ہے۔ اگر کوئی ٹوٹ پھوٹ ہوئی تو مرمت کرائے بغیر تمہیں واپس نہ کی جائے گی۔“

”بہت بہتر جناب۔“ مردہ آواز میں کہا گیا۔ ”لیا کنجی مہمان کی خدمت میں پیش کر دی جائے۔“

”نہیں اسے اگریشن میں لگا کر چھوڑ دو۔ بس شکریہ۔“

حمدید نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر کپاڑ بٹک جانچنے میں کم از کم اتنی دیر لگائی کہ اس کے اندازے کے مطابق اس وقت میں کار سے متعلق ہدایات پر عمل کیا جا چکا ہو۔

ڈائیک ہال میں واپسی پر اس نے دنوں کو دیں پایا۔ دنوں ہی ایک دوسرے سے کشیدہ نظر آ رہے تھے۔

کچھ دیر بعد اس نے عورت کو اٹھتے دیکھا۔ خان وجاہت اُس سے کچھ کہہ رہا تھا اور وہ انکار میں سر ہلا رہی تھی۔ انداز سے ایسا لگتا تھا جیسے وہاں سے جانا چاہتی ہو اور خان وجاہت رکنے کے لئے کہہ رہا ہو۔

پھر وہ بھی اٹھ گیا۔

”جب وہ صدر دروازے سے گذرا جائیں تو ہم بھی اٹھ جائیں گے۔“ حمید نے صفورا

سے کہا۔

”پتہ نہیں تم کیا کرنا چاہتے ہو۔“ وہ پر تشویش انداز میں بڑھ رہا۔

پھر یہ دونوں بھی باہر آئے تھے اور پارکنگ شیڈ سے ان کی گاڑی نکل ہی رہی تھی کہ حمید نے شیخر کی گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے صفورا سے بیٹھنے کو کہا۔

”ارے.....ارے..... ہم تو غالباً یہی میں آئے تھے۔“ صفورا بوكھلا کر بولی۔

”پولیس آفسرنے اپنی گاڑی ہمارے لئے بھجوادی ہے۔“ حمید نے انہیں اشارت کرتے ہوئے کہا۔

اب وہ خان وجاہت کی گاڑی کا تعاقب کر رہا تھا۔

”وہ دونوں..... کیا ہم ان کا بیچھا کر رہے ہیں۔“ صفورا ہانپتی ہوئی بولی۔

”تم اب خاموش ہی رہو تو بہتر ہے.....!“ حمید غریبا۔

”ارے.....ارے.....!“

لیکن حمید نے ”ارے.....ارے.....“ کا کوئی جواب نہ دیا۔ کان کھارہی تھی اتنی دیر سے۔ اب خاموش ہی رہتی تو اچھا تھا۔

پتہ نہیں وہ خائف تھی یا بوریت محسوس کرنے لگی تھی کہ کچھ پھر وہ بولی ہی نہیں۔ وہ شہر ہن کی سڑکوں سے گذر رہے تھے۔

”مجھے تو اب نیند آ رہی ہے.....!“ صفورا منینا۔

”چھلی رات بھی تمہیں نیند آ رہی تھی جس کی بناء پر آج میں اس حال کو پہنچ گیا۔..... اس وقت کی نیند شاہد کل مجھے موگ پھلیاں بیچنے پر مجبور کر دے۔“

”مجھے میرے ہوٹل پہنچا دو۔“

قبل اسکے کہ حمید کچھ کہتا ایک زور دار دھا کر، وہ اور اگلی گاڑی کی ڈکے دھوان اگلنے لگی۔

آس پاس کئی چیزوں بھی ابھری تھیں۔ پھر افریقی تھیج گئی۔ حمید کے اوسان بحال تھے۔ وہ اپنی گاڑی آگے نکالے لیتا چلا گیا۔

سے گھوڑتے رہے تھے۔ پھر فریدی وہاں سے چلا گیا۔ وجہت اور وہ عورت باہر نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے تھے اور حمید نے ان کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ پھر دھماکہ..... اور وہ اپنی گاڑی آگے نکال لے گیا تھا۔ کب تھا یہ سب کچھ؟ فریدی؟ کیا یہ کچھی رات والی توین کا انتقام تھا۔ حمید سوچتا رہا اور پھر وہ ویٹر کی آمد پر چونکا تھا۔ میتو سے کچھ یونہی اوت پٹاگ کی چیزیں منجیں کیں اور آرڈر دے دیا۔

”میں پوچھتی ہوں..... تم رکے کیوں نہیں تھے۔“ صفورا کچھ دیر بعد کانپتی ہوئی سی آواز میں بولی۔

”میں نے تمہاری عقل پر تو میک اپ کیا نہیں تھا پھر اتنی احقدانہ باقیں کیوں کرو رہی ہو۔ ہم دونوں غیر لگکی ہیں۔ مطلب یہ کہ اس میک اپ میں اگر ہم رکتے تو یقین طور پر پولیس ہمیں بطور گواہ استعمال کرنے کی کوشش کرتی۔“

”لیکن تمہارا وہ دوست پولیس آفیسر.....!“

”یہ کارروائی خی طور پر تھی۔ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ اب میں خی طور پر اسے اس حدادی سے مطلع کر دوں گا۔“

”ہاں..... یہ تو درست ہے۔ ہم دشواری میں پڑ جاتے۔“ وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی اور حمید نے اسامنے بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

صفورا تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ ”تو تم مجھ سے کیوں فنا ہو گئے ہو۔“

”خفا نہیں ہو گیا..... بھوک کی حالت میں پڑنے نہیں کیسی کیسی ہستیوں کو چبا گیا ہوں۔ پھر میں یہ نہیں دیکھتا کہ گوشت کی رنگت کیسی ہے؟“

”میں بڑی دیر سے تمہاری باتوں میں درندگی محسوس کر رہی ہوں۔“

”بل اب خاموش رہو۔ کھانے کے بعد مزید گفتگو ہو گی۔ ہر موضوع پر بے تکان بول سکوں گا۔“

وہ اُسے عجیب نظر وہ سے دیکھتی ہوئی خاموش ہو گئی۔ پھر کھانا آگیا تھا۔ کھانے کے بعد

بوکھلا ہےٹ

”اُرے..... اُرے..... روکو..... روکو..... دیکھو کیا ہوا۔“ صفورا ہمیانی انداز میں بولی۔

”خاموش بیٹھی رہو۔“

”یعنی..... یعنی.....!“

”شش اپ.....!“

صفورا نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن صرف ہونٹ مل کر رہ گئے۔ حمید گاڑی کی رفتار تیز سے تیز تر کرتا رہا اور پھر وہ آرچجو کے سامنے رک گئی۔

”خیچ اترو.....!“ حمید نے کہا۔

”یہ کہاں لائے ہو۔“ صفورا نے خوفزدہ لمحے میں کہا۔

”بھوکا ہوں..... تمہیں کھاؤں گا۔“

”مجھے ڈراؤ نہیں۔“

”میں کوئی خبیث روح نہیں..... یہ میرا پسندیدہ ہوئی ہے، یہاں کھانا کھائیں گے۔ چلو اترو..... بھوک چک اٹھی ہے۔“

وہ سہی ہوئی سی گاڑی سے اُتری اور حمید کے ساتھ چلے گئی۔

آرچجو کا ڈائنسنگ ہاں خاصا آباد تھا۔ لیکن حمید کو اتنا ہوٹس کہاں تھا کہ وہ اس پر دھیان دیتا۔ وہ تو بہت سی جذباتی انداز میں اُس دھماکہ کے متعلق سوچے جا رہا تھا۔ دھا کر خان وجہت کی گاڑی کی ڈکے میں ہوا تھا اور گاڑی ہائی سرکل کلب کے پار کلگ شیڈ میں کھڑی رہی تھی۔ فریدی اور خان وجہت ہائی سرکل کے ڈائنسنگ ہاں میں ایک دوسرے کو خونخوار نظر وہیں

کافی کا دور چلا لیکن مغورا خاموش ہی رہی اور حمید تو اب اس سلسلے میں کسی قسم کی گھنگو کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

فریدی کی شکل دیکھتے ہی ایسا بُر امنہ بیٹا جیسے خود کشی کر لینے کی حد تکت بور ہو گیا ہوت۔

”شعر و خن کا ذوق رکھتے ہو تو آدمیوں میں بیٹھا کرو۔ ان بیچاروں نے کیا قصور کیا ہے۔“

”انہیں کے ساتھ میری بھی پر دوش ہوئی ہے۔“ حمید نے زہریلے لمحے میں کہا۔

”اوہ.....!“ فریدی اُسے کھنچ کر لپٹانا ہوا بولا۔ ”بے بی روہا نا ہو رہا ہے۔“

”جی..... آؤ فیڈ تیار ہے۔“

”چھوڑ دیجئے مجھے.....!“ حمید چالا۔

”چلو سیدھی طرح.... ورنہ....!“ فریدی اسکی گردن پکڑ کر پورچ کی طرف گھماتا ہوا بولا۔

حمدید بادل ناخواست چلنے کی ایکنگ کرتا ہوا ساتھ دیتا رہا۔ وہ برآمدے میں آبیٹھے۔

حمدید اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

”وہ خوبصورت ہے حمید۔“ فریدی کچھ دیر بعد بولا۔

”میں فی الحال اُس کی والدہ ماجدہ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ ممکن ہے وہ خاتون

اس سے بھی زیادہ خوبصورت رہی ہوں۔ لہذا مجھے بور نہ کیجئے۔“

”بکواس بند کرو۔ میں اس سے پہلے کئی بار تمہاری رواداد عشق سن چکا ہوں۔ میں تو بور

نہیں ہوا تھا۔“

”تو گویا یہ کچھ ہے.....!“ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

لیکن فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سر جھکا کر سگار سلاکانے لگا۔ حمید ایک پل کے لئے

رک کر پھر بولنے لگا تھا۔ ”یا تو اتنا اجتناب..... یا پھر ساری منزلیں ایک ساتھ طے کر دیں۔

یعنی نہ صرف عشق بلکہ رتابت بھی۔ خدا کی پناہ..... بڑی شان والا ہے تو پاک پروردگار چاہے تو

گھوڑے کو بھی لا طینی بولنے پر مجبور کر دے۔“

فریدی نے طویل سانس لی اور مسکرا کر حمید کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”آپ نے مجھے سخت مایوس کیا ہے۔“ مید خنک لمحے میں بولا۔

”بھلا وہ کیسے فرزند.....؟“

کافی کا دور چلا لیکن مغورا خاموش ہی رہی اور حمید تو اب اس سلسلے میں کسی قسم کی گھنگو کرنا ہی

”بہر حال ہم شہر نہ دیکھ سکے۔“ مغورا رواگی کے لئے احتی ہوئی بولی تھی۔

”دیکھ لیں گے شہر بھی۔“

”آخ تمہارا موڈ کیوں خراب ہو گیا ہے۔ شام تک تو اچھے خاصے تھے۔“

”ذماب بھی ٹھیک ہوں ببا..... کافی نہ کھاؤ۔“

اور پھر وہ اُسے مے پول کے قریب چھوڑ کر ہائی سرکل واپس آ گیا تھا۔ بہان پارک لگ

شہر میں نجیب کی گاڑی چھوڑی تھی اور واپسی کیلئے مزدھی رہا تھا کہ نجیب سے مدد بھیز ہو گئی۔

”گاڑی نے کوئی تکلیف تو نہیں دی جتاب عالی۔“

”نہیں.....!“ حمید نے بھرا کی ہوئی آواز میں کہا اور گیٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اب وہ سیدھا گھر جانا چاہتا تھا۔ اتفاقاً نیکسی بھی جلد ہی مل گئی ورنہ آس پاس نیکسی کے

لائے پچھے دیر بھکٹا ہی پڑتا تھا۔

فریدی گھر پر موجود نہیں تھا۔ حمید نے سوچا ظاہر ہے گھر پر موجودگی کا سوال ہی نہیں پیدا

ہوتا۔ لیکن اقسام لینے کا یہ طریقہ اُسے پسند نہیں آیا تھا۔ ارے کہیں لکا کر کر مارا ہوتا۔ لیکن وہ

عورت..... رلانے والی۔

جہنم میں جائے..... اس نے سوچا۔ پھر کیا کیا جائے۔ اگر اسے علم ہوتا کہ فریدی گھر پر

موجود نہیں ہے تو بارہ ایک بجے سے پہلے گھر واپس نہ آتا۔ مغورا کوے پول میں چھوڑ کر کہیں

بھی جا سکتا تھا۔

اکتاہت اور جھلاہت میں بچتا ہو کر اُس نے خاہ مخواہ فون پر ادٹ پٹاگ کالیں کرنی

شروع کیں۔ کبھی کسی جزل مرچنٹ سے ریز ربلیڈ کے دام پوچھتا، کبھی کسی سینما ہاؤز کے نجیب

سے پوچھتا کہ وہ تین ماہ بعد کون کون سی فلم اکریبت کرے گا۔

پھر یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ کسی نے حمید کے کانوں سے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونک کر مژا اور

”تو یہ اطلاع آپ مجھے کیوں دے رہے ہیں۔“

”اگر وہ نام برم تھا تو گاڑی کے پرچے اڑ جانے چاہئے تھے۔ تم کہتے ہو کہ ڈکے سے صرف دھوں نکلتا ہوا دیکھا تھا تم نے..... حدید ہے کہ ڈکے کللاں نہیں، کم از کم اسے ہی قبضوں سے اکٹھ جانا چاہئے تھا۔ غالباً اس دھوئیں کی نمائش کے لئے وہ پہلے ہی پوری طرح بند نہ کیا گیا ہو گا۔“

”آپ کہنا کیا چاہئے ہیں۔“

”آج کل میں نہیں جانتا کہ میں کہاں ہوں۔“ فریدی نے چنانے کے سے انداز میں کہا۔
”مجھے بھی وہیں بلوال بیجھے.....!“ حمید ملتیجانہ بولا۔

”نہیں..... تم نہیں..... یہ معاملہ تمہارے معیار سے کہیں زیادہ اونچا ہے۔“

”اوہ..... لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے وہ بلا خصی آپ کی وجہ سے گلے لگائی ہے۔ آج شام اُس نے پورے یقین کے ساتھ اپنے پچھلے بیان کی تائید کی۔ وہ وحی ہے جو شکا گومیں رلانے والی کہلاتی ہے۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید اُسے گھوڑا رہا۔ فریدی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ وقتاً اس نے سر اٹھا کر کہا۔ کل صبح دس بجے تک میں تمہیں بتا سکوں گا کہ تمہاری نئی دوست کا بیان صحیح ہے یا غلط.....!“

”بھلا وہ کس طرح۔“

”حمدید یا تم کافی کے لئے کہہ سکو گے۔“

”آپ گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں ہائی سرکل میں نہیں۔“

فریدی خود ہی اٹھا اور پکن کی طرف چلا گیا۔

حمدید ایک بار پھر ڈانوا ڈول ہو رہا تھا۔ یہ عشق اور رقابت کا چکر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہارڈ اسٹوئن بستور نجسز ہے۔ پھر کیا تصد ہے۔ وہ سوچتا رہا اور پھر دفعتاً چوک پڑا۔ تیز قسم کی روشنی پھر سے پر پڑی تھی۔

کسی کی گاڑی پھاٹک میں داخل ہو رہی تھی۔ کون ہو سکتا ہے اس وقت۔ قاسم کی طرف

”وہ شخص جو کل تک قانون کا محاذ تھا آج ایک عورت کے لئے قانون نہیں بن بیٹھا۔“

”میں نہیں سمجھا.....!“

”آپ نے جوش انتقام میں یہ بھی نہ سوچا کہ آپ کی منظور نظر بھی اسی گاڑی میں ہو گی۔“

”کیا بک رہے ہو۔ صاف صاف کہو۔“

”آپ نے اُن کی گاڑی کے ڈکے میں غالباً نام برم رکھو دیا تھا۔“

”تو پھر.....؟“

”دھا کر ہوا تھا..... لیکن میں اُن کا انجام دیکھنے کے لئے رکا نہیں تھا۔“

”تم تعاقب کر رہے تھے؟“

”جی ہاں..... اور میں نے ہائی سرکل میں آپ دونوں کو خونخوار قسم کے موڑ میں بھی دیکھا تھا اور پھر آپ چب چاپ اٹھ کر چلے گئے تھے۔ گویا آپ خان و جاہت کو جتنا چاہئے تھے کہ اب اس کی خیر نہیں..... میں آپ کو ایسا نہیں سمجھتا تھا۔ ارے مارنا ہی تھا تو لکار کو مارا ہوتا۔ پچھلی رات بہترین موقع تھا جب اُس نے اس کا بازو آپ کے بازو سے زبردستی کیجیے لیا تھا۔ کل تو کھڑے ہندہ دیکھتے رہے تھے۔“

”یہ دھا کر کس جگہ ہوا تھا حمید صاحب۔“

”زیر و روز اور ایگل روڈ کے چوراہے کے قریب.....!“

”ہوں..... اچھا.....!“ فریدی اٹھتا ہوا بولا اور مزید کچھ کہے بغیر اندر چلا گیا۔

حمدید وہیں بیٹھا سوئنک چیزیں میں جھوٹا رہا۔ ذہن پر ناخوٹگواری کیفیت طاری تھی۔

ٹھوڑی دری بعد فریدی پھر واپس آگیا۔ لیکن اس کے ہونٹوں پر طنزی مسکراہٹ تھی۔

حمدید نے اُسے استفہامیہ انداز میں دیکھا لیکن کچھ بولانہیں۔

”ہاں ایک دھا کر سا ضرور گیا تھا اور گاڑی کی ڈکے سے دھوں بھی نکلتا دیکھا گیا تھا۔ وہ گاڑی رکی بھی تھی۔ لیکن پھر جلد ہی زیر و روز اپر مزگتی تھی۔ پولیس کو اس گاڑی کی علاش ہے۔ بنبر بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔“

خیال آگیا۔ ممکن ہے دماغ میں سمجھی اچھی ہو۔

بہر حال گاڑی سیدھی پورچ میں چلی آئی۔ حمید اٹھ گیا۔ نہ صرف اٹھ گیا بلکہ الرٹ بھی ہو گیا۔ کیونکہ گاری اُسی کے سمجھے کے سپرمنڈنٹ کی تھی۔

وہ گاڑی سے اُزیزی رہا تھا کہ فریڈی بھی اندر سے آگیا۔

”اوہ..... آپ.....!“ وہ اس کی طرف بڑھتا ہوا بولा۔

”ہاں..... سمجھے ہی آنا پڑا۔“ سوپرنے برآمدے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”تشریف رکھنے جتاب.....!“ فریڈی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”شکریہ.....!“ اس نے بیٹھنے ہوئے کہا اور حمید کی طرف اس طرح دیکھا جیسے وہاں اس کی موجودگی غیر ضروری سمجھتا ہو۔

”تم ذرا کہہ دو..... کافی جلدی چاہیے۔“ فریڈی نے حمید سے کہا اور حمید نچلا ہوتا دانتوں میں دبائے وہاں سے رخصت ہو گیا۔

”جہنم کی کسی بھٹی پر کیتی رکھواد۔“ وہ راہداری سے گزرنا ہوا بڑی بڑی ایسا تھا۔

سیدھا اپنے کمرے میں آیا۔ مقصد حقیقت کافی کے لئے جلدی نہیں تھی بلکہ اُسے وہاں سے مالا تھی مقصود تھا۔ وہ اب فریڈی کے بارے میں کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتا تھا۔ لہذا پھر زیستی فون پر ٹوٹ پڑا۔ خواہ مخواہ کسی نہ کسی سے جھگڑا کرنے کو بھی چاہ رہا تھا۔ اس قام کے نمبر ڈائل کے جانتا تھا کہ قام کا ایک انشرونمنٹ خواب گاہ میں بھی رہتا ہے۔

تمن بار نمبر ڈائل کرنے کے بعد دوسرا طرف سے قام کی دہاز سنائی دی تھی۔

”تو نہ ہے..... میں سورہ ہوں۔“

”بالکل اُلوکے پڑھے ہو۔“ حمید نے آواز بدل کر کہا۔

”قیا..... ابے ہوش..... ہوش میں تو ہے۔“

”تمیز سے بات کرو ورنہ مار کر بھس بھر دوں گا۔“ حمید نے کہا۔

جباب میں قام نے شاکر گالیاں ہی دینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن غصے اور بوکھلاہٹ میں

وہ گالیاں معنویت کی حامل نہیں ہو سکی تھیں۔

”یہ کتوں کی طرح کیا بھوک رہا ہے۔“ حمید نے کہا۔ غالباً قام سانس لینے کے لئے رک گیا تھا۔ لیکن پھر دوسرا طرف سے آواز نہیں آئی۔ ویسے سلسلہ بھی متقطع نہیں کیا گیا تھا۔

”اُبے رسیور ہاتھ میں لئے ہی سو گیا کیا۔“ حمید نے پھر کہا۔

”اُبے قون..... سالے.....!“ قام کی دہاز سنائی دی۔ غالباً پہلے وہ غصہ اور حیرت کی زیادتی کی بنا پر کچھ نہ کہہ سکا ہو گا۔

”میں توئی بھی ہوں..... لیکن تمہیں آج رات بھروسے نہیں دوں گا۔“

”اویع..... غرامی..... قون ہے تو ع.....!“ اس بار قام حلق کے مل چکا تھا۔

حمدی اس کی عادت سے واقف تھا کہ ہار مان کر رسیور نہیں رکھے گا۔ جتنی دیر چاہو الجھائے رہو۔ اس نے پہلے بھی اکثر وہ جی بھلانے نے لئے اسی حرکتیں کر چکا تھا۔ لیکن کبھی قام کو اس کا علم نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ حرکت اسی کی ہوتی ہے۔

”میں تمہارا خون پی لوں گا ورنہ زبان کو گلگام دوسورے کے بیچے۔“ حمید نے کہا۔

”جبان..... ابے اپنی جبان بھی تو دنخ..... اللہ غارت کردے اُسے سالا..... اپنی جبان نہیں دیجتا۔“

”تمہیں تمیز ہی سے گفتگو کرنی چاہئے۔ میں چاہے کتنی ہی گالیاں کیوں نہ دوں۔“

”تیرے باپ کے دادا کی دھونی ہے توئی۔“ قام کی دہاز سنائی دی۔

”صرف میں ہی کافی ہوں تمہارے لئے۔ باپ دادا کوں تکلیف دے۔ الوکے پڑھے۔“

”بہت جلد مرے غالا تم..... دو ماہ بعد پھر جی جلانے تو جگایا ہے سمجھے۔“

”اب تو روز جگاؤں گا..... مرغی کے تم.....!“

”ابے..... ابے..... یہ کیا ہاتھی ہوئی..... مرغی کے تم.....!“ غالباً قام کی ڈھنی رو بہک گئی تھی۔

”ترکی زبان میں یہی چلتی ہے۔“

”نهیں..... وہ مجھے اطلاع دینے آئے تھے کہ خان وجاہت نے کچھ دیر پہلے میرے
خلاف ایک تحریری رپورٹ انہیں دی ہے۔“
”کس سلسلے میں.....!“

”میں ان کی گرف فریڈ پر ذورے ڈال رہا ہوں اور انہیں حراساں کرنے کیلئے میں نے
ان کی گاڑی کے ڈکے میں دھا کے کے ساتھ پہنچنے والا کوئی مادہ رکھوادیا تھا..... وغیرہ وغیرہ۔“
”بیوتوں کیا ہے اس کے پاس.....!“

”کل رات نیا گردہ میں کچھ آدمیوں نے دیکھا تھا کہ وہ اپنی گرف فریڈ کو میرے پاس
سے کھیٹ لے گیا تھا اور آج شام کو تھاری ہی طرح کچھ اور لوگوں نے بھی ہائی سرکل کلب
میں مجھ کو اسے خونوار نظریوں سے گھوڑتے ہوئے دیکھا ہو گا۔“

”کیا ان گواہوں کے نام بھی رپورٹ میں درج ہیں۔“

”اوہ ہو..... اس کے بغیر تو وہ رپورٹ کوئی وقت ہی نہ رکھتی۔“

”لہذا اب تو مجھے بتا دیجئے کہ یہ کیا چکر ہے۔“

”کل بتاؤں گا..... اس سے پہلے نہیں۔“

”مجید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے خواب گاہ کا دروازہ ٹکھٹایا۔“

”کون ہے..... آ جاؤ۔“ فریدی نے بلند آواز میں کہا۔

ایک طازم کر کے میں داخل ہوا۔

”کیا بات ہے؟“

”ڈرائیور روم میں..... ایک صاحب۔“

”کون ہے؟“

”بھی نہیں آتا صاحب۔ اگر یہی بھی فرائٹ والی ہے۔ کوئی اگر یہی ہیں۔“

”مجید جو فریدی سے پہلے ہی دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا بولا۔“ ”مجھے پوچھ رہی ہوں گی۔“

پھر وہ ”بلرز سرپٹ“ ڈرائیور روم تک آیا تھا۔ لیکن دروازے میں داخل ہوتے ہی

”چلتی ہو گی..... مگر تم.....!“

”میں ایک لڑکی ہوں..... آواز بدل سکتی ہوں۔“

”نهیں.....!“

”ہاں..... پیارے۔“ اس بار حمید نے باریک سی نسوانی آواز نکالی اور جواب میں
دوسری طرف سے قاسم کی ”عی عی عی عی“ سالی دینے لگی اور پھر اس نے کہا۔ ”تو تم مجھے
غالیاں..... قیوں دیتی رہتی ہو۔“

”محبت میں پیارے..... چانے کے لئے۔“

”تو آواج بھاری قرنے کی قیا جرودت ہے..... اپنی مشی والی آواج میں غالیاں دیا
قرود..... الاقسم خس نہیں کر ستوں گا۔ عی عی عی عی۔“

”واتھی الو کے پچھے معلوم ہوتے ہو۔“ حمید نے نسوانی عی آواز میں کہا۔

”مبلقل..... مبلقل..... عی عی عی۔“

”تم مجھے دیکھتے ہی رہتے ہو لیکن کبھی نہ جان سکو گے کہ وہ میں ہی ہوں۔“ حمید نے کہا۔
”اللہ قسم بتا دو..... تمہیں میری جان کی قسم.....!“ قاسم صاحب گھمیل پیل ہونے لگے۔

”نهیں..... ہرگز نہیں..... یہ تو نہیں بتاؤں گی۔“ حمید نے کہا اور ٹھیک اسی وقت فریدی
نے اس کی گردن دبوچ لی اور ریسیور اس کے ہاتھ سے چھین کر خود سننے لگا۔ اس وقت قاسم کہہ
رہا تھا۔ ”الاقسم بتا دو میں تمہیں اپنی دل تی رانی بتاؤں گا۔..... بولو..... ہائے بولتی رہوں۔.....
کھاموشی کیوں ہو گھسیں.....!“

”اب میں اس ناخبار کا باپ بول رہا ہوں۔“ فریدی غریبان۔

”اے باپ رئے..... غوپ.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسہ منقطع ہو گیا۔
فریدی بھی ریسیور کھکھل کر حمید کی طرف مڑا۔

”آخر کب تک اس پہنچنے اور جما تتوں میں زندگی برس کرو گے۔“

”غالباً ایس پی صاحب کافی ہی پہنچنے آئے ہوں گے۔“ حمید نے سفی ان سفی کر کے کہا۔

پا چئے۔ اس طرح اس خواہش کی تجھیں میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔“

”میں نے پوچھا تھا کیا تم نے احتجاج کیا تھا اس روپوٹ کے خلاف۔“

”ہاں ہاں..... میں نے اُسے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔“

”پھر اس نے کیا کہا۔“

”اس نے مجھے دھمکیاں دیں۔ کہنے لگا کہ وہ یہاں کے باڑ لوگوں میں سے ہے۔ میں اس کا کچھ نہ بگاڑ سکوں گی اگر وہ زبردستی پر اتر آیا۔ میں بھی سوچ کر خاموش رہ گئی کہ خواہ مخواہ بات بڑھانے سے کیا فائدہ۔ لیکن اب وہاں سے بھاگ آئی ہوں۔ میں نے بھی ڈرائیور کو تمہارا پتہ دیا تھا وہ مجھے یہاں چھوڑ گیا۔“

”اب اگر خان وجاہت کو اس کا علم ہو تو۔“

”تو کیا ہو گا..... مجھے اسی پولیس آفیسر کے پاس لے چلو جسے تمہارے خلاف درخواست دی گئی ہے۔ میں اس سے کہہ دوں گی کہ میں خان وجاہت کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ تمہارے ساتھ رہوں گی۔“

فریدی کچھ نہ بولا اور حیدر شروع ہی سے اپنی کھوپڑی سہلا تارہ تھا۔ بھی وہ فریدی کی طرف دیکھتا اور کبھی اس چاند کے گلے کی طرف۔ فریدی سر جھکائے خاموش کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر گھری تشویش کے آثار تھے۔

”تم کیا سوچ رہے ہو۔“ دفتار عورت بولی۔

”خان وجاہت واقعی بااثر آدمی ہے اور خطرناک بھی۔“

”تو تم اُس سے ڈر گئے ہو۔ میں تو تمہیں ایسا نہیں سمجھی تھی۔“

”میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ حکومت کے ذمہ داروں سے اُس کے خاندان والوں کے مرام ہیں۔ وہ میرے خلاف بہت کچھ کر سکے گا۔“

”میں کہتی ہوں مجھے اسی پولیس آفیسر کے پاس لے چلو۔ میں صاف کہہ دوں گی۔“

”اُس سے کچھ نہیں ہو گا۔“

بریک لگ گئے۔ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ ساتھ ہی دل میں یہ خواہش ہوئی کہ کار کے بریک سے کی طرح اس کے جسم کا کوئی حصہ بھی چڑھا دیا ہوتا۔ کیونکہ یہ وہی نخت مرد تھیں جن کی وجہ سے اس کی دوسری رات بھی گارت ہوتی جا رہی تھی۔

وہ حیدر کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

”میں کمال سے ملتا چاہتی ہوں.....!“ اس نے حیدر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور حیدر کھڑا احتفانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا۔ اتنے میں فریدی بھی اندر آ گیا۔

”کمال.....!“ وہ اس کی طرف چھٹی اور پھر حیدر نے دیکھا کہ فریدی نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں ملنے لئے ہیں۔

”وہ درندہ ہے کمال..... پتے نہیں خود کو کیا سمجھتا ہے۔ ابھی مجھے معلوم ہوا کہ اس نے پولیس کو تمہارے خلاف کوئی روپوٹ دی ہے اور مجھے یہ بھی کچھ ہی دیر پہلے معلوم ہوا ہے کہ تم ایک پولیس آفیسر ہو۔ یقین جاؤ خود اسی نے گاڑی میں کوئی ایسی چیز رکھی ہوگی جو دھماکے سے پھٹ جائے..... وہ جنگلی ہے۔“

”تمہیں یقین ہے کہ اس نے میرے خلاف کوئی روپوٹ کی ہے۔“

”اُرے مجھے ساتھ لے گیا تھا اسی پولیس آفیسر کے پاس۔“

”تو تم نے بھی اُس سے کچھ کہا تھا۔ میرا مطلب ہے پولیس آفیسر سے۔“

”میں کیا کہتی۔ وہ دونوں لکھی زبان میں گفتگو کرتے رہے تھے اور اس نے وہ روپوٹ بھی انگریزی میں نہیں لکھی تھی۔ میں مجھے بتا دیا تھا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔“

”تم نے احتجاج کیا ہو گا۔“

”یقیناً..... میں دراصل اسی کے ساتھ یہاں آئی تھی۔ ہم نیویارک میں ملنے تھے۔ مجھے عرصہ سے مشرق کی سیر کا شوق تھا۔ میں نے وجاہت میں صرف اس حد تک کوشش محسوس کی تھی کہ اس سے دوستی کرلوں۔ میں نے اسے کبھی چاہا نہیں۔ ہاں تو میں مشرق کی سیر کرنا چاہتی تھی وہ اپنے وطن واپس آ رہا تھا۔ میں نے سوچا یہ، بہت اچھا موقع ہے۔ مجھے اس کے ساتھ ہی جانا

”ای طرح ہستے ہو۔“ حمید نے ڈپٹ کر پوچھا۔
”اب نہیں آؤں گا دھو کے میں چاہے جتنی بھاری آواز میں بولو۔ ہی ہی ہی ہی“
پھر حمید اسے بے تھاش گالیاں دیتا رہا اور دوسری طرف سے ”ہی ہی ہی ہی“ کے علاوہ
اور کچھ نہیں سنائی دیا تھا۔

گشادگی

دوسری صبح حمید کو یاد نہیں آ رہا تھا کہ پچھلی رات اسے نیند کیسے آ گئی تھی۔ غصے کے مارے آگ ہو رہا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی دروازے کی طرف چھپتا۔ ہینڈل گھما کر جھٹکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ چند لمحے کھلتے ہوئے دروازے سے راہداری میں گھورتا رہا پھر دروازہ بند کر کے بست پر جایا۔

چچھلی رات نیند آ جانے پر اسے حیرت تھی۔ کیونکہ انتہائی جھلامب کے عالم میں نیند کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

چچھلی رات قاسم کو فون پر گالیاں دینے کے بعد اس نے پھر کمرے سے باہر نکلا چاہا تھا لیکن دروازے کو باہر سے متقل پا کر تکوئے سے لگی تھی اور سر پر بیٹھی تھی۔ غصہ کے مارے قریب قریب پا گل ہو گیا تھا۔

پھر یاد نہیں کس طرح غصہ فرو ہوا تھا اور اسے نیند آ گئی تھی۔ سہر حال اب وہ سوچ رہا تھا کہ ڈیوٹی پر حاضری برحق لیکن اب وہ اپنی راتیں اس چھت کے نیچے نہیں گزارے گا۔ کوئی بات نہیں۔ اتنا ذمیں سمجھ لیا ہے کہ رہا باہر سے متقل کر دیا گیا تھا۔ جیسے وہ محل ہوتا۔ لعنت ہے۔ زندگی میں پہلی بار اسی کوئی حاقت ہو جائے تو یار لوگ مر بھوکوں کی طرح گرتے ہیں۔ یہاں کیا غم ہے۔ اتنے قریب آ کر پھر پلٹ جانی والی لاکیوں کی صحیح تعداد بھی اسے یاد نہ ہو گی ہونہا!

”پھر میں کیا کروں بتاؤ تمہارے ملک میں تھا ہوں۔ مجھے اس درندے کے پنجے سے رہائی دلاؤ۔“

”تم اپنے سفارت خانے سے کیوں نہیں رجوع کرتیں۔“

”لیکن میں کہوں گی کیا جب کہ سفارت خانے کو اس سے پہلے ہی مطلع کر چکی ہوں کہ اپنے دوست خان و جاہت کے ساتھ قام کروں گی۔“

”پھر دفاتر اور حمید کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ “یہ کون ہے؟“

”میرا استنشت!“

”کیا ہر معاملے میں تمہیں است کرتا ہے۔“

”ہاں!“

”لیکن یہاں تو اس کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔“ وہ مضمکانہ انداز میں مسکرائی۔ حمید نے بھنا کر کچھ کہنا چاہا تھا کہ فریڈی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”جاو آرام کرو۔“

اور حمید کو ایسا محسوس ہوا ہیسے کسی نے اسے بہت بلندی سے نیچے چینک دیا ہو۔ تیزی سے وہ دروازے کی طرف ہڑا تھا اور خواب گاہ میں آ کر کئی چیزیں توڑ دیں تھیں۔ اپنے بال میہوں میں جکڑ کر سر کوئی جھکلے دیئے تھے۔ پھر طلق پھاڑ کر جیختے کوئی چاہا لیکن اس خواہش کو عملی جامد نہ پہنچا۔

دل کا بخار نکالنے کے لئے زبان ایٹھنی چاہی تھی۔ دفعتاً فون پر نظر پڑی اور وہ ایک بار پھر قاسم کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اب کے جواب ملنے میں دری نہیں گئی تھی۔

غالباً قاسم پھر نہیں سویا تھا۔

”او موئے حر امزادے۔“ حمید نے ماڈھ پیس میں دہاڑ مار کر کہا۔ لیکن جواب میں صرف ”ہی ہی ہی ہی“ سنائی دی۔

”کیا تمہاری یہوی مرگی ہے کہ اس طرح رور ہے ہو!“ حمید نے کہا۔

”اے مر بھی تو چلکی صورت سے میں توہن رہا تھا۔“

”وہ میم صاحب تو آپ کے سامنے ہی آئی تھیں۔“

”ہاں تو پھر.....!“

”ٹھیک دو بجے رات کو ڈی آئی جی صاحب پہنچے۔ ان کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا اور ڈی آئی جی صاحب سے برابر کہے جا رہا تھا میرا دعویٰ ہے کہ وہ بھین ہوگی۔ صاحب سوئے نہیں تھے۔ پتہ نہیں ڈی آئی جی صاحب سے انگریزی میں کیا بات چیت ہوتی رہی۔ دوسرا آدمی خسے میں بھرا ہوا تھا۔ بار بار صاحب کی طرف مکاہلا تھا۔ لیکن کمال ہو گیا صاحب کو ذرا سا بھی غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ مسکراتے رہے تھے۔“

”اور وہ عورت کہاں تھی۔“ حمید نے پوچھا۔

”کسی کمرے میں رہی ہوگی۔ کیونکہ بعد میں صاحب اسے ڈائینگ روم میں لائے تھے۔“

”ان کے جانے کے بعد.....؟“

”صاحب ان کی موجودگی ہی میں..... عورت دوسرے آدمی کو دیکھ کر کچھ ڈری گئی تھی۔“

اس نے چھپت کر اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔ وہ چینے لگی تھی اور چینتے چینتے بے ہوش ہو گئی تھی۔ ڈی آئی جی صاحب ہمارے صاحب کو غسلی نظروں سے گھوڑتے رہے تھے۔ پھر انگریزی میں کچھ کہتے ہوئے انہیں لوگوں کے ساتھ چلے گئے۔

”کن لوگوں کے ساتھ.....!“

”عورت اور دوسرے آدمی کے ساتھ۔ وہ یہوش عورت کو ہاتھوں پر اٹھانے ہوئے تھا۔“

”اور پھر.....!“

”صاحب کچھ دری پھرے تھے اور مجھے خط دے کر وہ بھی کہیں باہر چلے گئے تھے۔ آپ والی موڑ سائکل لے گئے ہیں۔ مجھ سے کہا تھا صبح جب آپ جائیں اُسی وقت ان کا خط آپ کو دیا جائے۔“

حمید نے طویل سانس لی اور ناشتے کی طرف متوجہ ہوا۔

”وہ عورت کون تھی صاحب۔“

وہ چونک پڑا۔ کسی نے باہر سے دروازے کو کھلایا تھا۔

”کون ہے..... آ جاؤ۔“ وہ غریباً۔

آنے والا حمید کا منہ لگا ملازم شریف تھا۔ حمید نے اُسے خنخوار نظروں سے دیکھا۔

”صاحب دے گئے ہیں؟“ اس نے ایک لفافہ حمید کی طرف پڑھاتے ہوئے کہا۔

”بھاگ جاؤ۔“ حمید نے لفافہ اُس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا اور وہ چپ چاپ کھک گیا۔

لفافے سے برآمد ہونے والی تحریر تھی۔

”حید..... عزیزم..... تمہاری خنگی حق بجانب ہے..... لیکن بعد

میں تمہیں اپنے غصے پر عدالت بھی ہو سکتی..... لیکن چھوڑے جا رہا ہوں۔ تم اسی سے ایگل تیچ وا لے ہہٹ میں آ جاؤ..... میری تحریر ضائع کر دو۔“

فریدی۔“

اس نے غیر ارادی طور پر خط کو دیا سلانی دکھادی۔ کاغذ جل گیا۔ لیکن اُس کا ذہن اب بھی اپنے طور پر بھک رہا تھا۔ ایگل تیچ پر عیش ہو رہے ہیں۔

بہر حال تحریر نے ذہن پر اچھا ہی اثر ڈالا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ بھی حماقت ہی ہے کہ غصے کی بناء پر ناشتہ کہیں باہر کیا جائے۔ لہذا وہ ضروریات سے فارغ ہو کر ڈائینگ روم میں آیا۔

شریف یہاں بھی دکھائی دیا۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ اُسے کچھ بتانا چاہتا ہے۔

”اب کیوں میری جان کو آ گیا۔ وہری بار تیری شکل دیکھ رہا ہوں۔“ حمید نے اُس سے کہا۔

”میں اب بے ہوش ہو جاؤں گا صاحب.....؟“

”میری طرف سے تو جان بحق بھی ہو سکتا ہے۔“

”نہیں صاحب مذاق نہیں..... رات آپ پتہ نہیں کہاں تھے۔ یہاں کیا کچھ نہیں ہو گیا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”کیا وہ یہاں نہیں ہیں۔“

”نہیں صاحب۔“

”کب سے نہیں آئے۔“

”ایک مہینہ ہوتا ہے صاحب..... بس تھوڑی دیر کے لئے آئے تھے۔“

”خیر..... خیر..... دروازہ کھلو۔“

چوکیدار نے قفل کے سوراخ میں کنجی لگاتے ہوئے کہا۔ ”صاحب نے فون پر کہا تھا کہ آپ جب آئیں تو تمنی چار سات گیاہ پر انہیں فون کریں۔“

”تمنی چار..... سات گیاہ.....!“ حمید نے یادداشت پر زور دیتے ہوئے دہرا دہرا۔ اس کی دانست میں یہ نمبر پہلے کمی اس کے علم میں نہیں آئے تھے۔

بہر حال کچھ دری ٹھہر کر اس نے فون پر چوکیدار کے بتائے ہوئے نمبر ڈائل کئے۔

”یہیلو..... تھری فور سیوں ڈیل ون۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ لیکن یہ آواز تو فریدی کی نہیں تھی۔

”کمپنی ہمید اسپلینک.....!“

”پلیز ہولڈ آن.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور کچھ دری خاموشی رہی۔ پھر اس نے فریدی کو کہتے سن۔ ”ٹھیک ہے۔“

”کیا ٹھیک ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”یہی کہ تم غالباً اس کا مقصد سمجھ عی گئے ہو گے۔“

”نہ سمجھوں تو زندہ رہنے کا فائدہ عی کیا.....؟“

”بہر حال تم نے دیکھا ہے کہ اب ہم لوگوں کا تعاقب کیا جائے گا۔ ٹھکانی طور پر بھی اور ان لوگوں کی طرف سے بھی۔“

”کن لوگوں کی بات کر رہے ہیں۔“

”ختم کرو..... فی الحال میں تمہاری کار گزاریوں پر خوش ہو رہا ہوں۔“

”اخاہ..... اب آپ کو بھی بتایا جائے۔“

”ہم سب بہت پریشان ہیں صاحب۔ اپنے صاحب کے بارے میں بھی کسی سے کوئی بُری بات نہیں سنی۔“

”جاو..... کان نہ کھاؤ۔“

وہ نہ اسامنہ بنائے ہوئے چلا گیا۔ پھر حمید نے محسوس کیا کہ سارے ہی ملازم دل گرفت نظر آ رہے ہیں۔

اب اس کے ذہن میں بھی پہلا سا غبار باقی نہیں رہا تھا۔ ڈی آئی جی کی آمد۔ وہ دوسرا آدمی یقیناً خان و جاہنہ رہا ہوگا اور پھر ان محترمہ کی بے ہوشی..... ناشتے کے بعد اس نے پھر شریف سے اس سلسلے میں پوچھ کچھ شروع کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس عورت کا رول مشتبہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ آخر ڈی آئی جی کی موجودگی میں اس کا صرف جیج چلا کر بے ہوش ہو جانا کیا معنی رکھتا تھا۔ شریف یا دوسرے ملازمین انگریزی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ لیکن انہیں کم از کم اس کا سلیقہ تو تھا ہی کہ وہ بے معنی جیج پکار اور کچھ کہے جانے میں فرق کر سکتے۔

یقیناً کوئی بڑا چکر تھا جسے فریدی اپنے طور پر نہیں چاہتا تھا۔ آہستہ آہستہ حمید کی عقل راہ پر آتی گئی اور وہ فریدی کی بدایت پر عمل کرنے کے لئے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

لئکن کوئی کمپاؤنڈ سے نکل کر سڑک پر ہوئی اور حمید نے تھوڑی عی دیر بعد محسوس کیا کہ اس کا تقاضہ کیا جا رہا ہے۔

ایگل ہج پہنچتے پہنچتے شب یقین میں تبدیل ہو گیا تھا۔ ایک لمبی سی ساہ گاڑی کوئی کے قریب عی سے لگی چلی آئی تھی۔

ہٹ کے سامنے لئکن روکتے وقت وہ اس کے برابر عی سے گذری چلی گئی تھی۔ اس میں صرف ایک ہی آدمی تھا اور وہی اسے ڈرائیور کر رہا تھا۔

حمدید گاڑی سے اتر کر ہٹ کے دروازے پر آیا۔ محافظ نے پہلے عی اسے دیکھ لیا تھا۔ لپٹا ہوا اس کے قریب آ کر بولا۔ ”سلام صاحب..... بڑے صاحب کا فون آیا تھا۔“

”تو پھر آپ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟“
 ”نی الحال آرام کر رہا ہوں..... میرے متعلق کسی کے بھی سوال کا صحیح جواب نہ دو۔ سوال
 کرنے والے خواہ ہمارے آفیسر ہوں خواہ ملنے جلتے والے۔“
 ”آخر چکر کیا ہے..... خان وجاہت کی گاڑی کی ڈکے میں آپ کی انگلیوں کے نشانات
 کیونکر لٹے۔“

”ظاہر ہے کہ وہ میری ہی انگلیوں کے نشانات تھے۔“
 ”اوہو..... تو وہ آستینکر مادہ۔“
 ”وہ صرف ایک آٹو میک پناہ تھا..... مقصد یہ تھا کہ وہ دونوں کسی کھلی جگہ میں گاڑی
 سے باہر نکل آئیں۔“
 ”آخر کیوں؟“
 ”عوزت کی تصویر لئی تھی۔“
 ”میری سمجھ میں نہیں آیا۔“
 ”احمق ہو..... تمہاری اس نیگر لیں دوست کے بیان کی تصدیق کرنی تھی۔“
 ”تو کیا.....؟“

”ہاں..... تصدیق ہو گئی ہے۔ اس کا بیان درست معلوم ہوتا ہے۔ وہ نیک نام عورت
 نہیں ہے۔ کسی دور دراز اسٹیٹ سے نام بدل کر پاسپورٹ حاصل کیا ہو گا اس نے..... بہر حال
 شکا گو پولیس کی رپورٹ اس کے بارے میں اچھی نہیں۔“
 ”کیا چکر ہے۔“

”کچھ بھی ہو کیس کی کامیابی کا سہرا تمہارے ہی سر ہے گا مطمئن رہو۔“
 ”لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈکے میں آپ نے اپنی انگلیوں کے نشانات کیسے چھوڑے۔“
 ”جان بوجھ کر۔ نی الحال تم اس چکر میں نہ پڑو۔ ویسے تمہیں عام طور پر ظاہر یہی کرنا ہے
 کہ تم میری گشادگی کی وجہ سے پریشان ہو۔“

88
 ”اس طرز کا تعلق میری کس حماقت سے ہے۔“

”بصدق دل کہہ رہا ہوں فرزند..... تمہاری حماقتوں زیادہ تر میرے لئے کارآمد ثابت
 ہوتی رہی ہیں۔ اس پار بھی اتفاق آیا ہی ہوا ہے۔“

”وضاحت فرمائیے..... ورنہ میں خوشی کے مارے پاگل نہ ہو سکوں گا۔“
 ”وہ نیگر لیں..... صفورا.....!“

”اس پر تو کرم ہی کجھے..... اب کیا میں اتنے کا بھی حصہ رکھیں۔“

”خیر گولی مارو..... میں دشوار یوں میں پڑ گیا ہوں۔“

”کیا مطلب.....؟“

”خان وجاہت کی گاڑی کی ڈکے میں میری انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں۔“

”کیا مطلب.....؟“

”اور دوسری طرف وہ عورت بھی میرے ہی گھر سے برآمد ہوئی۔“

”شریف نے مجھے بتایا تھا۔ لیکن بات میرے پانچھیں پڑی۔“

”عزیز القدر..... وہ تو بڑی عجیب پہچونش تھی۔“

”اب جلدی سے کہہ ڈالئے..... ورنہ میرے دم نکل آئے گی۔“

”بھی وہ پناہ لینے کے لئے میرے پاس آئی تھی..... لہذا میں نے ایک کمرے میں اس
 کے لئے انتظام کر دیا تھا۔ ڈھانی بجے رات کو خان وجاہت ڈی آئی بھی صاحب سیست
 آپنچا..... وہ مطالبة کر رہا تھا اس کا۔ میں نے اُسے بلوایا اور وہ پاگلوں کی طرح چیخت ہوئی بے
 ہوش ہو گئی۔ اب تم خود سمجھو فوری طور پر ان لوگوں نے کیا سمجھا ہو گا۔“

”اب کیا خیال ہے ان کا.....!“

”وہ ہوش میں آگئی ہے لیکن زبان بند ہے۔ کچھ بولتی ہی نہیں۔“

”میں جا کر زبان کھلاؤں۔“ حمید نے چک کر پوچھا۔ ”ہے کہاں.....؟“

”سول ہسپتال میں۔“

نوما اسکرانا کے بارے میں کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکا تھا۔ کیا کہا جاسکتا ہے اساتفاق کو۔ اس حد تک تو حمید کی الجھن رفع ہو گئی تھی کہ اس کہانی میں فریدی کسی قسم کا رول ادا کر رہا ہے لیکن اب یہ فکر تھی کہ فریدی اس سلسلے میں کرے گا کیا۔ وہ کافی دیر یک کھڑکی کے قریب کھڑا پاپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا تھا۔ اس کے بعد جو شامت نے گھیرا تو دریافت حال کے لئے سر جنٹ ریمش کو فون کر بیٹھا۔ اس نے کہا فوراً آفس پہنچو ورنہ تم بھی لا پتہ قرار دے دیئے جاؤ گے۔

اور پھر جب وہ آفس پہنچا تو وہاں کافی سختی پھیلی ہوئی تھی۔ فریدی کے حریف آفسروں نے آسے گھیر لیا اور وہی افواہ سننے میں آئی جس کا خدشہ تھا۔ اخوااء بالجبر اور اسی زبردستی کو وہ ہوش و حواس ہی کھو بیٹھی۔ ایک اسپکٹر نے تو کھل کر کہا تھا کہ فریدی صاحب کا تجدردگ لایا ہے۔ بلا آخربوکھلا گئے حضرت۔ ساری بندشیں ٹوٹ گئیں۔ ایسے خط الحواس ہوئے کہ سالہاں سال کی نیک نامی کو داغ لگا بیٹھے۔ حمید کیا بولتا۔ بس ستا اور لطف لیتا رہا تھا۔ پھر ایک صاحب کی کسی بات کا جواب دیتے ہوئے مزے لے لے کر بولا تھا۔ ”بس کیا پوچھتے ہیں صاحب۔ مجھے تو صحیح علم ہو سا جب چیزیں کھیت چکی تھیں۔ ویسے رات کو ڈیڑھ بجے آنکھ کھلی تھی اور میں نے کسی ضرورت سے باہر نکلنا چاہا تھا لیکن نہیں نکل سکا تھا کیونکہ میرے کمرے کا دروازہ باہر سے مغلول کر دیا گیا تھا۔ یقین بکجھے میرے فرشتوں کو بھی اصل واقعہ کا علم نہیں تھا ورنہ جیجیجی کر پوری کوئی سر پر اٹھا لیتا۔ مجھے تو صحیح نوکروں سے معلوم ہوا تھا..... اوہ..... میں نہیں جانتا کہ اب وہ کسی کو منہ دکھا بھی سکیں گے یا نہیں۔“

پھر اسے براہ راست ڈی آئی جی کے آفس میں طلب کر لیا گیا۔ ڈی آئی جی کے شامنے پیشی ہوئی اور اس نے وہی سب کچھ بتایا جو اس سے پہلے دوسروں کو بتا چکا تھا۔

ڈی آئی جی کے استفسار پر اس نے کہا۔ ”جتاب عالی یقین فرمائیے۔ میں ایسی کسی عورت کے وجود کا علم نہیں رکھتا تھا۔ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ سب کچھ خواب ہے۔“ ”مجھے بے حد فسوس ہے..... ایسا شاندار آفسیر جسے ٹکھے کی ناک کہنا چاہئے اس طرح

”کیا قیام یہیں رہے گا۔“

”ضروری نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تمہارا تعاقب کیا جاتا ہے یا نہیں۔“

”ایک بات اور بتا دیجئے۔ کیا وہ عورت کسی کیس کی تفتیش کے دوران میں دریافت ہوئی تھی۔“

”نہیں..... بس یونہی اتفاقاً..... دریافت نہیں ہوئی تھی بلکہ اب تو یہی کہنا چاہئے کہ اس نے مجھے دریافت کیا تھا۔“

”نام کیا ہے۔“

”نوما اسکرانا کے نام سے شکا گو پولیس جانتی ہے۔ یہاں ایلی نور کے نام کے پاسپورٹ پر آئی ہے۔ خیر ہاں تو سنو۔ تم جب بھی چاہو اسی فون نمبر پر مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہو۔ میں نہ ملوں تو پیغام لکھوادو۔“

”کچھ اور.....!“

”نہیں بس.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمدی نے طویل سانس لی اور رسیور رکھ کر کھڑکی کے قریب آ کھڑا ہوا۔ آسمان پر بادل تھے اور سمندر کی طرف سے آنے والی ہوا نیک تھی۔ بہر حال بھیثت

مجموعی وہ دون خشگوار کہا جاسکتا تھا۔ اس نے پاپ میں تمباکو بھرتے ہوئے سوچا یقیناً وہ لگ فریدی کو کسی جاں میں چھانٹا چاہئے ایں۔ مگر خدا کی پناہ..... یہ عورتی..... اس کے انداز میں

لکھنی پر دگی تھی جب وہ فریدی کے ساتھ رقص کر رہی تھی۔ آنکھوں میں گویا محبت کا سمندر خھاٹھیں مار رہا تھا۔ ایسا لگتا جیسے وہ اپنے وجود کو فریدی کے وجود میں سودہ بنا چاہتی ہو۔ پھر کسی

کرہنا ک کیفیت اس کی آنکھوں میں نظر آئی تھی جب خان وجہت اسے فریدی کے پاس سے

گھیست لے گیا تھا۔ خداوند ایسے سب کچھ کیا ہے۔ یہ صلاحیت تو نے صرف عورتوں میں کیوں

و دیعت کی ہے۔ پھر اسے صفوراً یاد آئی اور اسے تعلیم کر لیا پڑا کہ خود قدرت ہی فریدی پر مہربان ہے۔ ورنہ کیا یہ ضروری تھا کہ وہ اس کی خدم میں کسی ایسی عورت سے جاٹکرانا جو اس عورت نوما

اسکرانا سے اس حد تک واقف ہوتی۔ بہر حال صفورا کے بیان کردہ حالات جانتے سے قل فریدی

خانج ہو گیا۔ اب کیا ہو سکتا ہے..... اگر وہ اپنی صفائی میں کچھ کرنے کے لئے سامنے نہیں آ جائے کوئی کیا کر سکے گا۔ کچھ بھی تو نہیں۔“ ذی آئی بھی تجھے معلوم ہوتا تھا۔ حمید کے ذہن پر بھی خواہ مخواہ افسردگی طاری کیا اور وہ تینوں سیدھے اسی کی میرزی کی طرف بڑھتے چلے آئے۔

وہ اپنی میرز پر تھا تھا۔ تمباں کر سیاں خالی تھیں۔ وہ اس کی اجازت حاصل کئے بغیر بیٹھے ہونے لگی۔

”اچھی بات ہے۔“ ذی آئی بھی نے ملاقات ختم ہونے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔“

”تم کیپن حمید ہو۔“ خان وجاہت نے توہین آمیز بجھے میں کہا۔
”ہاں..... اور بد تیزروں کا جبر اتوڑ دینے کے لئے شہرت رکھتا ہوں۔“

”کیا مطلب؟“

”ہمارے معاشرے میں ایسا طرز تماطل بدقیقی کے متادف ہے۔“

”میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ فریدی کہاں ہے۔“ خان وجاہت میر پر گھونسہ مار کر بولا۔

”تم ہو کون؟“ حمید آنکھیں نکال کر دہاڑ۔

”شٹ اپ!“

حمدیا چھل کر کھڑا ہو گیا اور خوکر مار کر کری ایک طرف گردی۔ ساتھ ہی اس کا ہاتھ بغلی ہولٹر پر پہنچ گیا تھا۔

”وہ تینوں بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔“

”دفعتاً ان میں سے ایک آدمی نے خان وجاہت کی طرف مڑ کر لجاجت سے کہا۔“ باس پلیز بات بڑھانے سے کیا فائدہ..... کیپن حمید بہت اچھے آدمی ہیں۔“

”اچھا تو پھر تم علی گفتگو کرو۔“ خان وجاہت نے کہا۔ لیکن اس پار بھی اس کا لہجہ چھڑ کھانے کا ساتھا۔

”بیٹھ جائیے کیپن!“ اُسی آدمی نے حمید کی گرائی ہوئی کری سیدھی کرتے ہوئے کہا۔
”اب گفتگو دوستانہ ماحول میں ہوگی۔ باس ہمارے معاشرے سے کافی ٹوں دور ہے ہیں۔“

اس اچاک تبدیلی کے لئے حمید تیار نہیں تھا۔ وہ تو سمجھتا تھا کہ دوسرے علی لئے میں ہولٹر

خانج ہو گیا۔ اگر وہ اپنی صفائی میں کچھ کرنے کے لئے سامنے نہیں آ جائے کوئی کیا کر سکے گا۔ کچھ بھی تو نہیں۔“

ذی آئی بھی تجھے معلوم ہوتا تھا۔ حمید کے ذہن پر بھی خواہ مخواہ افسردگی طاری ہونے لگی۔

”کم از کم ہر وقت محلے کی پہنچ ہی میں رہنا۔“

”بہتر جناب۔“ حمید نے کہا تھا اور سلام کر کے رخصت ہو گیا تھا۔

گورکھ دھندا

دو دن جوں توں گزرے اور تیسرا دن تو حمید کا دم گھٹنے لگا۔ فریدی کے ہتائے ہوئے نمبروں پر فون کر کے پیغامات نوٹ کر اتار ہاتھا۔ خداں سے ایک بار بھی گفتگو نہیں ہو سکی تھی۔

تیرا دن گذرانا مشکل ہو گیا اور اب تو اسے بھی ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے سچ نہ فریدی سے اس گھناؤ نے جنم کا رنگاب ہو گیا ہو۔ گھنن کی وجہ غالباً یہی احساس تھا۔ اسی دن اسے اطلاع طی کر خان وجاہت نے ملکے کے بعض آفیسروں کو رواجلا کہا تھا اور ان پر یہ بات واضح کی تھی کہ اگر جرم دو دن کے اندر اندر نہ پکرا گیا تو وہ اس معاملے کو آپگے بڑھادے گا۔ پریس کو بھی مطلع کر دے گا کہ خود قانون کے محافظہ کس طرح قانون کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

اس کا دل چاہا کہ خان وجاہت کو رواج پلے لے لکار دے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش ہو رہا تھا کہ پھر قانون کے محافظوں کی غنڈہ گردی کے حوالے بھی دیئے جانے لگیں گے۔ دیے یہ کوئی نہیں سوچتا کہ قانون کے محافظ بھی آدمی ہی ہوتے ہیں اور ذاتی توہین پر انہیں بھی غصہ آ سکتا ہے۔

کل وہ حکمے کو اپنی نقل و حرکت سے باخبر رکھتا تھا۔ لہذا یہاں سے بھی اُس نے فون پر ایک ذمہ دار آفیسر کو مطلع کیا تھا کہ وہ اس وقت یہاں موجود ہے۔

”تو یہ کہئے۔“ حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ”مجھے کارروائی شناخت کے لئے وہاں لے جایا جا رہا ہے۔“

”اب جو کچھ بھی سمجھتے۔ حکم نامہ آپ کے حوالے کر چکا ہوں۔“

”ہوں..... اون.....!“ حمید احتساب ہوا بولا۔ ”چلتے..... لیکن تھہر یے۔ میں یہاں سے روائی کی اطلاع بھی اپنے حکمے کے ایک ذمہ دار آفیسر کو دوں گا۔“

”آپ کی مرضی۔“

حید اُن تینوں آدمیوں کے ساتھ نیجر کے کمرے میں آیا۔ وہاں سے اپنے آفس کو اطلاع دی کہ وہ پرنسپلٹ نت کے تحریری حکم کے مطابق خان وجاہت اور اُس کے دوسرا تھیوں کے ہمراہ خان وجاہت کی قیام گاہ پر جا رہا ہے اور پھر وہ باہر آگئے۔ خان وجاہت کے ساتھی نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہوش آجائے کے بعد وہ ہسپتال سے خان وجاہت کی کوئی میں منتقل کر دی گئی ہے۔

اور خان وجاہت کی کوئی نت کے اُس کمرے میں پہنچ کر جہاں وہ عورت موجود تھی حمید پر یہ حقیقت روشن ہو گئی کہ اُس کے لئے باقاعدہ طور پر جال بچھایا گیا تھا۔ کیونکہ وہاں اس نے ذی آئی جی کو بھی بیٹھے پایا۔ عورت ایک آرام کری پر شم دراز تھی اور پہلے سے کہیں زیادہ حسین دکھائی دیتی تھی۔

”ہاں.... یہی ہے۔“ اس نے حمید کو دیکھتے ہی کہا۔ ”یہ آدمی اس وقت وہاں موجود تھا۔“

ذی آئی جی نے قہر آلو نظروں سے حمید کی طرف دیکھا اور حمید سمجھ گیا کہ کچھ اس سے پہلے امر سمجھ اور ریش کی شناختی پر یہ ہو چکی ہے۔

”میرا خیال ہے کہ آپ نے خواب دیکھا تھا۔“ حمید ڈھنائی سے بولا۔

”فضول بکواس مت کرو۔“ ذی آئی جی نے غصب ناک ہو کر کہا۔

سے رویا اور نکال لینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔ بہر حال اُسے طوعاً و کرہاً بیٹھنا پڑا۔ اتنی میں نیجر بھی دوڑا آیا تھا۔ لیکن وجاہت نے ہاتھ کے بے ڈھنگے اشارے سے اُسے واپس جانا کو کہا۔ وہ بے بُسی سے حمید کی طرف دیکھتا ہوا چپ چاپ چلا گیا۔

”مادام ایلی نور..... ہوش میں آگئی ہیں۔“ وجاہت کے ساتھی نے کہا۔ ”مطلوب یہ اب وہ گفتگو بھی کر سکتی ہیں۔ ہم نے اُن سے انکی خیریت معلوم کرنی چاہی۔ لیکن انہوں نے کہا وہ کرتل فریدی کے اسٹنٹ ہی کی موجودگی میں گفتگو کر سکیں گی جو اس وقت وہاں موجود تھا۔“

”تو پھر آپ حضرات سید ہے میرے ہی پاس کیوں چلتے آئے۔ کرتل فریدی کے اسٹنٹ اور بھی ہیں۔ سارجنٹ ریش اور سردار امر سنگھ۔“

”ان دونوں حضرات کے تعارف پر وہ اُن سے اپنی ناداقیت کا اظہار کر بچی ہیں۔“

”پھر یہ قطعی غلط ہے کہ اُن کی مراد مجھ سے ہوگی..... میں تو بے خبر سو رہا تھا۔“

”یہ تو وہ بیان ہے جو آپ نے اپنے حکمے کو دیا ہے۔“ دوسرا آدمی اپنی آنکھ دبا کر مسکرایا۔

”میرے پاس دوسرا کوئی بیان نہیں ہے۔“

”اچھا تو پھر از راہ انسانیت ہماری یہ خواہش پوری کر دیجئے۔ وہ بس کی مہمان تھیں۔ اُن حادثے سے بس کی سخت توہین ہوئی ہے۔“

”بھائی..... میں تو اس توہین کا ذمہ دار نہیں اور پھر چونکہ یہ معاملہ ایک کیس کی حیثیت ماحصل کر چکا ہے لہذا میں اپنے پرنسپلٹ نت کی اجازت کے بغیر ایسا کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔“

”ہم آپ کے لئے اجازت نامہ ہی لائے ہیں..... ملاحظہ کیجئے۔“ اس نے جیب سے ایک کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔

یہ اُس کے لئے پرنسپلٹ نت کا حکم نامہ ہی تھا جس میں کہا گیا تھا کہ مس ایلی نور کا بیان قلم بند کرے۔

”ہمیں پرنسپلٹ صاحب ہی سے معلوم ہوا تھا کہ آپ یہاں ملیں گے۔“ وہی آدمی بولا اور حمید نے پرشوشاں انداز میں اپنے سر کو جنمش دی۔ ذی آئی جی کے حکم کے مطابق اُن

مودری تھی۔

پھر اس نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”یہ ہیں مسٹر ماں یکل برگ شکا گو پولیس کے اپنے بکار خاص۔“

”ماں یکل برگ.....!“ عورت اچھل پڑی۔

”ہاں کتیا..... اب کہاں جاؤ گی نق کر۔“ فریدی کا ساتھی بولا۔

اب حمید نے غور ہے دیکھا وہ یقیناً ایک سفید قام غیر ملکی تھا۔

”یہ کیا گور کھو دھندا ہے۔“ ذی آئی جی فریدی کی طرف متوجہ ہو کر بڑا ہوا۔

”ماں یکل برگ..... یہاں سے چل جاؤ۔“ فتحا عورت اٹھتی ہوئی بولی۔ ”یہ شکا گو نہیں ہے۔“

”آج چہلی بار تمہارے خلاف ایک واضح ترین ثبوت ہاتھہ آیا ہے۔ کیا بھتی ہوت۔ میں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھاؤں گا۔“

”کیا ثبوت.....؟“

”شکا گو کی نوماکم از کم شکا گو کے لئے نوماہی رہنے گی۔ ایسی نور نہیں بن سکتی۔ تم نے ہام بدل کر جعلی پاسپورٹ پر سفر کیا ہے۔ دو حکومتوں کو دھوکا دیا ہے۔ تم پر ہاتھہ ڈالنے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے۔ باقی ہم خودی انکو لیں گے۔“

”تم کوئی بھی ہونکل جاؤ یہاں سے ورنہ دھکے مار کر نکال دوں گا۔“ خان وجہت دہڑا۔

”میری موجودگی میں بھی۔“ فریدی استہرا سیے انداز میں مسکرا یا۔

ذی آئی جی بالکل خاموش تھا۔

خان وجہت اپنے یکل برگ کی طرف گھونستاں کر رہا تھا۔

”ہوش میں آؤ۔“ فریدی اکلے درمیان آتا ہوا غزالی۔ ”مجھے علم ہے کہ تم بہت طاقتور ہو۔“

”اچھا تو پہلے تم ہی لو۔“ خان وجہت نے فریدی پر ہاتھ چھوڑ دیا۔ لیکن وہی ہاتھ پہ بھر میں فریدی کی گرفت میں تھا۔ وجہت نے باسیں ہاتھ کو کام میں لانا چاہا لیکن وہ بھی فوری طور پر پکڑ لیا گیا۔ پھر شروع ہوئی زور آزمائی۔

حمدی نے خاموشی اختیار کی اور اندر ہی اندر کھوٹا رہا۔ اب اس عورت نے بولنا شروع کیا۔ بالتفصیل ایسے دل ہلا دینے والے واقعات بیان کر رہی تھی کہ شیطان کے کان بھی بہرے ہو جائیں۔

ذی آئی جی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ آخر اس نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ”اب تم کیا کہو گے۔“

”جناب عالی! میں کیا عرض کروں۔ میں نے پہلے بھی ساری باتیں دوسروں سے سنی تھیں اور یہ واقعہ ان کی زبانی سن رہا ہوں۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر کتنی صاحب ایسی ہی بہیانہ مودہ میں تھے تو انہیں اس کا ہوش کیسے رہا ہوا کہ ان سے میرا بھی تعارف کرتے۔ انہیں یہ بتاتے کہ یہ میرا استثنی ہے اور اگر انہوں نے خود ہنی اندازہ لگایا تھا کہ میں ان کا استثنہ ہوں تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ میں نے اس نامقویت میں بھی انہیں است کیا ہو گا۔“

”تم کیا بکواس کر رہے ہو۔“ خان وجہت بول پڑا۔

”شش اپ یورڈری سوا میں..... میں صرف اپنے آفسر کو جواب دہ ہوں۔“ حمید کا پارہ ایک دم چڑھ گیا۔

ٹھیک اسی وقت ایک ملازم ہانپتا کا پہنچا کرے میں داخل ہوا۔

”سرکاروہ چلے آرہے ہیں..... روکے نہیں رکتے۔“ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

”کون.....!“ خان وجہت دروازے کی طرف چھپتا ہی تھا کہ دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے فلک ہیٹ اتارتے ہوئے ذی آئی جی کو سلام کیا۔

”تم.....!“ ذی آئی جی بوكھلائے ہوئے انداز میں کھڑا ہو گیا۔ ”اس طرح۔“

حمدی کا تو سر ہی گھوم کر رہا گیا تھا۔ اس نے سوچا ممکن ہے فریدی کو یہاں ذی آئی جی کی موجودگی کا علم نہ رہا ہو اور وہ ہر قسم کی احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر خان وجہت سے پہنچنے کے لئے اس طرح زبردستی گھس آیا ہو۔

”جناب عالی.....!“ فریدی نرم لمحے میں بولا۔ ”اس نازک موقع پر میری موجودگی بہت

اور دوسرے ہاتھ سے بازو پکڑ کر اسے مائیکل کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا تھا۔ ”لو اسے سن جاؤ۔“
مائیکل نے اس کے سر کے بال مضبوطی سے پکڑتے ہوئے دو ٹین جھکٹے دیئے اور وہ جو ش
کھائی ہوئی کتنا کی طرح بلبانے لگی۔

خان وجاہت کے باسیں شانے میں گولی گلی تھی۔

”حمدی.....!“ فریدی بولا۔ ”خان وجاہت کو مجھے کی حوالات میں دیتا ہے۔“

”تم جو بھی کرنے ہو۔“ ڈی آئی جی نے کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی ہاتھ انداز کر بولا۔
”دھومنی اجازت نامہ کا حوالہ دینے کے بعد ذمہ داری مجھ پر ہوتی ہے۔ بہر حال میں کچھ دیر
بعد آپ کو بھی مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔“

خان وجاہت نے پھر مراجحت کرنی چاہی تھی لیکن فریدی نے بڑی سنجیدگی سے اسے
سمجنے کی کوشش کی تھی کہ وہ زخمی ہے اگر اسکے ہاتھوں سے بھی مزید زخم پہنچ تو اسے افسوس ہو گا۔



دوسری شام کو حمید فریدی کے مہمان خانے میں اسپکٹر مائیکل کے لئے کاک میل بنارہ
تھا۔ مائیکل اور فریدی سگار سے شغل کر رہے تھے اور صفوراً مدھم سروں میں ایک گیت گاری تھی۔
حید اسے بہاں لے آیا تھا لیکن اپنے بارے میں نہ جانے کیوں نہیں بتایا تھا کہ وہ خود
بھی ایک آفسر ہے۔ فریدی کو اپنے اس دوست پولیس آفسر کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا۔
جس کے کہنے پر مبینہ طور پر انہوں نے نوما کا تعاقب کیا تھا۔

ابھی تک حمید کو نہیں معلوم ہوا کہ آخر خان وجاہت کیوں حوالات میں دیا گیا
ہے۔ وہ کہہ سکتا تھا کہ وہ بھی نوما کے دھوکے میں آگیا تھا۔ اس کی اصلیت سے واقف نہیں تھا۔

”یہ کیا ظلم ہے.....!“ فریدی کے سامنے ماتحت کی
جرأت.....!“ ڈی آئی جی کی آواز بھرا کی ہوئی تھی۔

”براؤ کرم فی الحال مداخلت نہ کیجئے۔ میرا خصوصی اجازت نامہ محفوظ ہے اور وہ ایسے
موقع پر کام آتا ہے۔ خان وجاہت اگر تم نے جھکٹا دے کر اپنی کلا یاں چھڑانے کی کوشش کی تو
کلائی کی ہڈیوں کی ضمانت نہ دی جائے گی۔“

خان وجاہت کی بچھرے ہوئے بھیڑیے کی طرح غرار ہاتھا۔ لیکن شاید اس نے بھی ایہ
محسوں کر لیا تھا کہ فریدی نے غلط نہیں کہا۔ اسی لئے اب جھکٹے سے کلائی چھڑا لینے کی کوشش ترک
کر دی تھی اور اس پر پلا پڑ رہا تھا۔
دفعتاً فریدی ڈی آئی جی سے کچھ کہنے کے لئے اس کی طرف مڑا۔ ساتھ ہی نوما پر بھی نظر
پڑی جس نے پستول نکال لیا تھا۔

”ہاتھ انداز سب.....!“ تیز سیٹی کی آواز میں چینی تھی اور فریدی نے بڑی پھرتی سے
خان وجاہت کو پستول کی زد پر موز دیا تھا۔

”چھوڑ دو اسے ورنہ فائز کر دوں گی۔“

”خاموش رہو میری توہین نہ کرو۔“ خان وجاہت غرایا۔

”نوما! پستول زمین پر ڈال دو۔“ اسپکٹر مائیکل کی آواز تھی۔

”اچھا تو پہلے تم ہی سکی۔“ نوما کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی فریدی نے خان وجاہت کو
دھکا دیا۔ فائز کی آواز ہوئی اور خان وجاہت کرایا۔

فریدی نے اسے اس طرح دھکیلا تھا کہ وہ نوما اور مائیکل کے درمیان آگیا تھا۔ اسی
وقت نوما نے مائیکل پر فائز بھی جھوک مارا تھا۔ لیکن اسے دوسرے فائز کی مہلت نہ ملی کیونکہ اس
کے بعد فریدی اس کی طرف جھپٹا تھا۔ نوما نے خان وجاہت کو لڑکھڑاتے دیکھا تھا۔ جھکٹی تھی اور
پھر اس کا پستول فریدی کے ہاتھ میں نظر آیا تھا۔ ایک ہاتھ سے اس نے اس کا پستول سن جالا تھا۔

علم نہ تھا کہ نوما اتنی اذیت پسند بھی ہے۔ ہم تو اس کے کام لے کاروبار کے متعلق کوئی واضح قسم کا ثبوت فراہم کرنے کی فکر میں رہے تھے۔

”لیکن پھر وہ شکا گوئیں رلانے والی کے نام سے کیوں مشہور ہے۔“ حمید نے پوچھا۔
” بلاشبہ..... وہاں اس کو اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن وجہ دوسرا ہے۔ بھولے بھالے تو جانوں سے عشق کا ڈھونگ رچاتی ہے اور پھر کچھ دنوں کے بعد انہیں ٹھکراؤ تھی ہے اور وہ شراب خانوں میں بیشے نشری کیالت میں روئے دیکھے جاتے ہیں۔“

”خان وجاہت کے خلاف آپ کے پاس کیا ثبوت ہے۔“ حمید نے فریدی سے پوچھا۔
”وہ تو کسی صورت سے بیچ ہیں نہیں سکتا کیونکہ اس نے یہاں کے پرانے جرام پیشہ لوگوں سے ساز باز شروع کر دی تھی۔ انہیں نشیات کی ناجائز تجارت کے سائینیف طریقوں پر لیکھ رہا دیا کرتا تھا۔ باقاعدہ کلاس لیتا تھا۔ حمید صاحب وہ سب میری گرفت میں آگئے ہیں۔ چار دنوں تک یہی سب کچھ تو کرتا رہا ہوں۔ خان وجاہت کو مطمئن کر دیا تھا میں نے کہ میں پوری طرح اس کے پچھر میں پھنس گیا ہوں۔ اسی یقین دہانی کے لئے میں نے اس گاڑی کے ڈکے میں انگلیوں کے نشانات چھوڑے تھے۔ وہ سمجھا شائد مجھ پر بھی رقبابت سوار ہو گئی ہے۔ اسی لئے وہ مجھے نوما کے ساتھ ملوث کرنے میں جلد بازی سے کام لے گیا۔ میرے غائب ہو جانے پر سمجھا کہ میں شہر ہی سے چلا گیا ہوں کیونکہ اس کی دانست میں فوری طور پر اپنی صفائی نہیں پیش کر سکتا تھا۔ بہر حال وہ میری طرف سے مطمئن ہو کر اپنے کام میں لگ لیا اور میں اس کا تعاقب کرتا رہا۔“
”مجھے حیرت ہے کہ آپ نے اتنی جلدی یہ سب کچھ کیسے کر لیا۔“

”بیسویں صدی میں بیشہ کریتر کا اکٹھار کر رہے ہو۔ ارے نوما کی تصوری اسی رات کو لا سکل کے ذریعہ شکا گنجوا دی تھی اور دوسری صبح اسی ذریعے سے جواب وصول کر لیا تھا اور ماں میکل بائی ایس پہنچ ہیں یہاں۔“

”آخری سوال..... سوچ سمجھ کر جواب دیجئے گا۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آپ نے اس رات میرا کرہ بارہ سے مقفل کیوں کر دیا تھا۔“

”فتھا فریدی نے اردو میں کہا۔ ”بُر خوردار..... اب اپنی اس عبر قام کو رخصت کیجئے۔“ اور حمید نے صفورا سے کہا۔ ”تم سانپ دیکھنا چاہتی تھیں۔ آؤ چلو میرے ساتھ۔“ حمید صفورا کو عمارت کے اس حصے میں لاایا جہاں سانپ تھے۔ راستے میں شریف مل گیا۔ اس نے صفورا کو اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ”تم اس کے ساتھ جاؤ۔ میں ابھی آتا ہوں۔“ اور پھر مہمان خانے کی طرف پلٹ آیا۔ اسے یقین تھا کہ فریدی اس وقت ماں میکل سے کسی اہم معاملے پر گفتگو کر رہا ہو گا۔ اسی لئے صفورا کو وہاں سے ہٹایا تھا۔ اس کا خیال غلط نہ تکلا۔ فریدی اپنے میکل سے کہہ رہا تھا۔

”نوما یہاں خان وجاہت کی مدد سے اپنے کاروبار کو مزید وسعت دیتا چاہتی تھی۔ اس طرح دنیا میں ایک بالکل عی نیا مین الاقوامی گروہ نشیات کی ناجائز تجارت کے لئے تکمیل پا جاتا۔ نوما اس کی سر برداہ ہوتی اور ہمارے ملک کی ناجائز تجارت کی سر برداہی خان وجاہت کے حصے میں آتی۔ یہاں کے جرام پیشہ میرے بارے میں کبھی کسی خوش قسمی میں جانا نہیں ہو سکے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مجھے راستے سے ہٹائے بغیر وہ کسی بڑے جرم کا ارتکاب نہیں کر سکتے۔ لہذا نوما کو مشورہ دیا گیا کہ کسی طرح مجھے الجہاد یا جائے نا کروہ اطمینان سے بُرنس آر گناہ کر سکیں۔ خان وجاہت کی موٹی عقل میں یہ تدبیر آئی کہ خود مجھے ہی کسی معاملے میں ملوث کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کی دانست میں مجھے اپنی برأت کی فکر ہوتی اور میں چاروں طرف سے توجہ ہٹا کر اپنے ہی الجھزوں میں پڑ جاتا۔ بہر حال نوما خود ہی میری طرف آئی تھی اور خان وجاہت نے رقبت کا ڈھونگ رچایا تھا۔ مجھے پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا کہ کوئی پچکر ہے لہذا معاملے کی تہہ سک پہنچنے کے لئے میں بھی نوما کی طرف جھلکا چلا گیا۔ لیکن خان وجاہت کی رقبابت مجھے کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچنے دے رہی تھی۔ اچاک قدرت مہربان ہوئی مجھ پر اور وہ کمال لڑکی خود بخود عقدہ کشانی کا باعث بن گئی۔ میں نے تم سے رابطہ قائم کیا اور تم اس خوشی میں دوڑے چلے آئے کہ تمہیں چلی بار نوما کے خلاف ایک واشخ ترین ثبوت مل رہا ہے۔“

”میں تمہارا شکر گزار ہوں..... پارے دوست۔“ میکل بولا۔ ”لیکن ہمیں اس کا قطعی

”میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کیوں آئی ہے۔ مجھے یقین تھا کہ زبردستیوں والا عذر اس طبق کیا جائے گا۔ لہذا میں نے سوچا کہیں تم کوئی حماقت نہ کر پہنچو۔ عقل مند بننے کی کوشش نہ کردا لو۔ کھلیں بگڑ جاتا اور اس طرح۔“

”ہوں..... اول.....!“ حیدر ہلاکر بولا۔ ”ایک بات اور ہے..... خیر..... پھر کہی، کبھی نہیں میں پوچھ لوں گا۔“

ماں کیل ہنسنے لگا۔ فریدی سارے سلکارہاتھا۔

ختم شد

اردو فینڈز

تصویر کا دشمن
دانے دار

(کمل ناول)

ڈرے میں سبھی چوٹی کا صدا کا رہتے۔ لیکن سننے والوں کو اس
لئے مزانہ آیا کہ ان کی آوازیں سننے والوں کی اپنی تصورہ
آوازوں سے مطابقت نہ رکھتی تھیں۔

لہذا زیادہ سے زیادہ پیسہ خرچ کر کے بھی روایاتی کون مول
لے۔ پس اے عزیز ان گرامی آرزن جو بلی نمبر میں تصاویر نہیں
شائع ہوں گی۔

یہ بھی آپ ہی کی خواہشات کے اخراج میں ہے.....”
چار حضرات جو اس سکتے سے آگاہ نہیں ہو سکتا ہے اس پر شور
چاہیں، لیکن مجھے تو اکثریت ہی کا ساتھ دینا ہے۔
بچھلی کتاب کے پیشرس میں میں نے گزارش کی تھی کہ میرا
وقت بہت قیمتی ہے اور کچھ ملنے والوں کے لئے وقت کے تعین کا
تذکرہ بھی تھا۔ اس پر بے شمار خطوط موصول ہوئے ہیں۔ کچھ خفا
ہیں اور کچھ ایسے ہیں جنہوں نے میرے خیال کو سزا لہا ہے۔ کچھ
ایسے بھی ہیں جو روزانہ آ کر بڑی دریں کپڑے رہتے ہیں لہ میں
اواقعیت کا رکاب پورا کب نصب کراہا ہوں۔

اللہ رحم کرے میرے حال پر۔

ابن صطفیٰ

۲۰/۰۳/۱۹۷۷

پیش رس

یہ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کا 99 وال ناول ”تصویر کا
دشن“ ہے۔ اس کہانی میں آپ بالکل نئے انداز کا سنس
محسوں کریں گے۔ حیرت انگیز واقعات کے ساتھ شروع ہونے
والی یہ کہانی اس طرح ختم ہوتی ہے کہ کیپٹن حمید پر تو حیرتوں کے
پہاڑتی نوٹ پڑتے ہیں۔

اس کے بعد انشاء اللہ جاسوسی دنیا کا آرزن جو بلی نمبر پیش
کروں گا۔ اس سلسلے میں بے شمار جاواز موصول ہوئی ہیں۔ ایک
بات پر قریب قریب سمجھی نے زور دیا ہے کہ اسے بچھلے ”خاص
الامن“ نمبروں کی طرح با تصویر نہ ہونا چاہئے کیونکہ ہر پڑھنے
والے کے ذہن میں کرداروں سے متعلق مختلف قسم کے تصورات
ہیں لہذا تصاویر میں ان سے مطابقت نہ دیکھ کر جھخڑا ہٹ ہوتی
ہے۔

بات پتے کی ہے۔ یقیناً ایسا ہی ہوتا ہوگا۔ مجھے اس کا
اندازہ اپنے ایک ریڈیائی ڈرے کے سلسلے میں ہو چکا ہے۔ اس

پہنچے ہی محسوس کیا کہ پڑول کار قریب آگئی ہے وہ تیزی سے ایک گلی میں ہڑ گیا۔ پڑول کار آگے گلی چلی گئی۔ پھر جتنی دیر میں یوڑن لے کر اس گلی میں داخل ہوتی وہ گلی پار کر کے دوسری سڑک پر پہنچ چکا تھا۔

بہر حال آصف تو موڑ سائکل ہی پر تھا۔ لیکن وہ گلی میں تیز رفتاری سے دکھا کا اور پھر جتنی دریں وہ سڑک پر پہنچتا، بھاگنے والا راگیروں کی بھیڑ میں مل کر گویا ناپید ہو چکا تھا۔ آدھے گھنٹے تک آس پاس کے علاقوں میں ہنگامہ برپا رہا۔

یہ آج کوئی نئی پات نہیں تھی۔ کسی نہ کسی سڑک پر روزانہ ہی اس کا "ٹکھوڑ" ہوتا تھا۔ بس وہ کسی بک شال پر جھپٹ پڑتا۔ ایک کتاب اٹھاتا اور اسے چیر کا چھاڑتا ہوا دوڑتا چلا جاتا۔ ابھی تک تو اسے کوئی پکونیں سکا تھا۔

اسکی افراتفری چیز کہ بعض اوقات ٹریک کے حادثات ہو جاتے۔ لوگوں کی جیسیں صاف ہو جاتیں اور بعض دو کافوں سے فتیتی اشیاء اٹھاتی جاتیں۔ لوگوں میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا تھا کہ وہ کوئی دیوانہ ہے، لیکن قانون کے محافظوں کی دور رس نگاہیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں۔ حکم پولیس کے ذمہ دار ان کا خیال تھا کہ وہ کوئی بڑا گروہ ہے جس میں ہر فن کے پیشہ در قانون نہ کن شامل ہیں۔ افراتفری سے فائدہ اٹھا کر وہ جیب تراشیاں اور بڑی بڑی چوریاں کرتے ہیں۔

پھر جہاں اس قسم کے سائنسیک انداز کے جو ائم کی بوجھیل رہی ہو۔ حکم سراغ بُسانی کیے نچلا بیٹھ لکتا ہے۔

اس بار تر بُغافل انپکٹر آصف کے نام نکلا تھا اور انپکٹر آصف نے وہ اڈم مچایا کہ خدا کی پناہ۔ نہ صرف سفید پوش سپاہی سارے شہر میں بکھیرا دیئے تھے بلکہ سول پولیس والوں کا بھی ناک میں دم آ گیا تھا۔ وہ جہاں بھی بیٹھتے انپکٹر آصف کی سات پتوں کو نواز کر رکھ دیتے۔ ایسے تو صفائی کلمات ایجاد کرتے کہ گوش فلک نے بھی نہ سننے ہوں۔

قریب قریب پندرہ دن سے یہ ہنگامہ برپا تھا۔ لیکن ابھی تک تو اس گروہ کا ایک چوہا بھی

دھماکہ

دیکھنے والے صرف اتنا ہی دیکھ سکے کہ اس نے چھپنا مارا۔۔۔ اور یہ جا۔۔۔ وہ جا۔۔۔ انپکٹر آصف کی بد منیتی ہی بیکھنے یہ ٹارڈات اسی دوکان پر ہوئی جس کی نگرانی وہ خود کر رہا تھا۔ ویسے اس نے پھرتی تو بہت دکھائی تھی۔ موڑ سائکل اسٹارٹ کی تھی اور اس کا پیچھا کیا تھا۔ پیدل بھاگنے والے کا تعاقب موڑ سائکل پر۔۔۔ ظاہر بات مضمکہ خیز تھی لیکن وہ بے چارہ کرتا بھی کیا۔ بھاگنے والا ایسا ہی تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ بھی پڑول کی عین مدد سے بھاگا ہو۔ اپنے پیروں کو تکلیف دیئے بغیر۔۔۔!

انپکٹر آصف خود ہی اس کیس کا انچارج بھی تھا۔ اس نے اسے تو جان تک کی بازی لگا دیئی پڑی۔

چاروں طرف پولیس کی سیستان نج رہی تھیں اور اسی سڑک پر ایک پڑول کار بھی حرکت میں آگئی تھی۔

سڑک پر ٹریک بھی تھا اور فٹ پاٹھوں پر پیدل چلنے والوں کی بھیڑ بھی بھاگنے والے نے

”دیا میں پوچھ لتا ہوں کہ ہر موڑ پر یہ اتفاق کیوں پیش آیا۔“
”یہ آپ کریں ہارڈ اسٹون سے پوچھے گا۔“

”کیا مطلب....؟“
”انہوں نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں ایسے ہنگاموں کا جائزہ لے کر انہیں مفصل پورٹ پیش کروں۔“

”فریدی کو کیا سر و کار اس سے۔“ آصف کی بد مرادج کتے کی طرح غرایا۔
”اس کا تو آپ کو علم ہی ہو گا کہ ایک استثنی صرف چڑی کا غلام... مم مطلب یہ کہ مرف حکم کا غلام ہوتا ہے۔ اسے کب حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی حکم کی وجہ بھی دریافت کر سکے۔“

آصف جو رہاسمنہ بنائے اس کی بات سننا تھا بھتنا کر بولا۔ ”کہہ دینا کہ میں اپنے معلمات میں دخل اندازی برداشت نہ کر سکوں گا۔“

”کیا دیا سلامی دکھانا دخل اندازی ہے۔“ حمید نے نہایت ادب سے پوچھا۔
”خاموش رہو۔“ آصف نے کہا اور اپنی موڑ سائیکل کی طرف بڑھ گیا۔
پھر وہ موڑ سائیکل پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ حمید آگے بڑھ کر بولا۔ ”کیا آپ میرے ساتھ چائے پیا پسند کریں گے آج سردی بڑھ گئی ہے۔“
”ضرور پیوں گا۔“ آصف غرایا۔ ”میں خود چاہتا تھا کہ کیچھ باقیں تم دونوں کے گوش گزار کر دوں۔“

”تو پھر آئیے..... کینٹین میں وہاں جیسمیں پیش گے۔“

کافے کینٹین اسی فٹ پاتھ سے ملختی اور قریب ہی تھا۔
آصف نے غصیل انداز میں موڑ سائیکل کی سیٹ چھوڑی اور حمید کے ساتھ اس طرح چل پا کر اس سے ایک قدم آگے ہی رہے۔ اس وقت اس پر ”سینارٹی“ پھٹی پڑ رہی تھی۔
کینٹین میں ایک میز بھی خالی نہ دکھائی دی۔

ہاتھ نہ لگا تھا اور تو اور وہی نہ پکڑا جائے کا جو مجرمے پازار میں کسی نہ کسی کتب فروش کے کامنے پیلی کی طرح جبچتا مارتا اور اڑ پھو ہو جاتا۔

اور آج تو خود آصف ہی کو اس سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اس کے باوجود بھی وہ صاف تکلیف آصف پر گویا دیوانگی سی طاری ہو گئی تھی۔ اس کے غائب ہو جانے کے باوجود بھی سائیکل کا پیروں پھوٹکارا ہے۔ ایسا گلتا تھا جیسے اپنے شکار کے جسم کا ایک ایک ریشم چاروں طریقے پر جھٹکا ہو۔

پھر ایک جگہ اس نے موڑ سائیکل روکی اور سگریٹ کے لئے جیسیں نہ لئے لگا۔ مگر یہ شابد ختم ہی ہو گئے تھے۔ موڑ سائیکل کو نٹ پاتھ سے لگا کر وہ ایک سگریٹ فروش کے خواہ کے قریب جا کھڑا ہوا۔ سگریٹ خریدے اور ایک نکال کر ہونٹوں میں دبایا ہی تھا کہ باہم جانب سے دیا سلامی کا شعلہ سگریٹ کی طرف بڑھا۔

فطری رو عمل کے مطابق پہلے سگریٹ سلاکا ہی چاہئے تھا۔ اس کے بعد اس نے سلامی پیش کرنے والے کی طرف نظر اٹھائی اور کباب ہو گیا۔
کیپن حمید اپنی تمام ترجیحی سیست مودب کھڑا تھا۔

”کیا مطلب....؟“ آصف کی زبان سے جلاہت میں بے ساخت صرف ہیں دلفاظ ادا ہو سکے ”میں اپنے کسی بھی بزرگ کو دیا سلامی نکالنے کا موقع نہیں دیتا۔ اگر کہیں آس پاس خود بھی موجود ہوں۔“ حمید نے نہایت ادب سے کہا۔

”میں اسے پسند نہیں کرتا۔“

”تب تو آئندہ ایسی غلطی نہ ہوگی۔ میں معافی چاہتا ہوں جناب عالی.....!“

”تم میرا تعاقب کرتے رہے ہو۔“ آصف پیر پیچ کر بولا۔

”عجیب اتفاق ہے۔“ حمید خندی سائنس لے کر بولا۔ ”ہر موڑ پر آپ سے ٹم بھیڑ ہوں ہے اور یہ بھی اتفاق ہی ہے کہ آپ کے یہاں بیٹھنے سے صرف تین سیکنڈ پہلے میں نے سوچا کہ مجھے دیا سلامی خرید لئی چاہئے۔“

”تو آپ پر اور راست مجھ سے خانہ میں ہیں؟“
 ”میرا بیکی خیال ہے۔“ آصف نے کہا۔
 ”تو پھر میری دعوت رونہ بتیجئے۔ نیا گرہ میں بڑا عمدہ پروگرام ہے۔“
 ”خیر چلو!“ آصف ڈھنلی ڈھنلی آواز میں بولا۔
 پھر موڑ سائکل وہیں چھوڑ دی گئی اور وہ نیا گرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔
 حید فریدی کی لگن ڈرائیور ہاتھا۔
 وہ دونوں ہی خاموش تھے۔ تھوڑی دیر بعد آصف بڑا بولایا۔ ”واقعی حریت انگریز طور پر تجزیہ رفتار ہے۔“
 ”دنکن کا جواب نہیں ہے جتاب۔“ حید بولا۔
 ”میں گاڑی کی بات نہیں کر رہا..... اس کا تذکرہ ہے جو کتابیں اٹھا کر بھاگ جاتا ہے۔“
 ”اوہ.....!“
 ”عجب اتفاق ہے..... آج وہ ابی بک شال پر حلہ کر بیٹھا جس کے قریب میں بھی موجود تھا۔“
 ”اچھا.....!“
 ”چھلاوا ہے چھلاوا..... کتاب جیسی اور وہ گیا.....!“
 ”اور سن ہے کہ اسے چیرچھاڑ کر چینک بھی دیتا ہے۔“ حید نے کہا۔
 ”ابھی تک کی روپوٹ تو میں ہے۔“
 ”آپ نے تو آج بچشم خود دیکھا ہو گا۔“
 ”یہ کون دیکھ سکتا تھا..... میں تو آج اسے پکڑ لیتا چاہتا تھا۔“
 ”میرا خیال ہے کہ غیر متوقع طور پر سامنا ہو جانے کی بیانے پر آپ نے بہت زیادہ جلد بازی سے کام لیا ہو گا۔“ حید بولا۔
 ”یہی سمجھ لو۔“

”کیا صیبت ہے؟“ حید بڑا بولایا۔ ”خالی بجھوں پر پیچیں ہی ڈلوا دی ہو تھی۔ خیر برہم..... یوکو ہما چلیں گے۔“
 ”نہیں! سان فرانسلکو.....!“ آصف آنکھیں نکال کر بولا۔ ”جو باتیں کہنا چاہتا ہوں فٹ پاٹھ پر کھڑے ہو کر بھی کہی جا سکتی ہیں۔“
 ”کم از کم چائے کی مٹھاں تو ہونی ہی چاہئے آپ کی باتیں سنتے وقت۔“
 ”تم کتنی ہی بکواس کیوں نہ کرو۔“ آصف واپسی کے لئے صدر دروازے کی طرف ہوا بولا۔ ”تمہیں تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ بعض اوقات تم دونوں بے حد تکلیف دہ ہو جاتے ہو۔“
 ”میں پھر عرض کروں گا کہ صرف ایک ہی کو کہئے۔ آپ اسٹنٹ کو کوئی الزام نہیں دے سکتے۔ وہ بے چارہ تو صرف احکامات بجالاتا ہے۔“ حید بولا۔
 ”اوڑوہ پھر فٹ پاٹھ پر نظر آئے۔“
 آصف ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلاٹانے لگا تھا۔
 ”نیا گرہ کیوں نہ چلیں۔“ حید نے کہا۔
 ”دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ میں نیا گرہ جاؤں گا آپ کے ساتھ..... اس سردی میں۔“
 ”موڑ سائکل بیٹھیں چھوڑ دیجئے۔ گاڑی ہے میرے ساتھ۔“
 ”نہیں مجھے جو کچھ کہنا ہے میں کیوں کہوں گا۔“
 ”آخڑا آپ مجھ سے خفا کیوں رہتے ہیں جب کہ میں آپ کا اتنا احترام کرتا ہوں۔“
 ”دفعتا آصف زم لجھ میں بولا۔“ یہی تو میں بھی اکثر سوچتا ہوں۔“
 ”آپ کو سوچتا ہی پڑے گا..... یا پھر مجھے میرا قصور بتا دیجئے۔“
 ”قصور.....!“ آصف ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”قصور صرف یہ ہے کہ تم ایک بد دماث اور مغرور آدمی کے ماتحت ہو اور تمہیں اس کی ہاں میں ہاں ملانی پڑتی ہے۔“
 ”یہ میرا نہیں بلکہ میرے مقدار کا قصور ہے جتاب۔“
 ”ہاں..... ہاں..... یہ بھی درست ہے کسی حد تک۔“

آصف نے ایسی میر فتحب کی جونہ صرف دور افتدہ تھی بلکہ حمید کے کوشش سے آس پاس کی "زرنیزی" سے بھی محروم تھی۔

پھر حمید نے کافی کام آڑ دیا ہی تھا کہ آصف بول پڑا۔ "بیرون کی بات کرتے رہے تھے تم۔"

"نباتات کے بغیر بیرونیں۔" حمید مردہ ہی آواز میں بربرا کر رہا گیا۔
لیکن پھر اسے کہنا ہی پڑا تھا۔

بیرونیں وہاں کی "خاص ڈش" بھی جاتی تھیں۔

آڑ کی تعلیم ہو جانے کے بعد آصف نے حمید کو ایسی نظر دوں سے دیکھنا شروع کیا جیسے اب اس دعوت کا مقصد بھی معلوم کرنا چاہتا ہو۔

"کیسی ہیں بیرونیں....؟" حمید نے پوچھا۔ "ہمیں آپ نے تو ابھی شروع ہی نہیں کیا۔"
"شروع کرنے سے پہلے مقصد معلوم کرنا چاہوں گا۔"

"کاہے کا مقصد....؟"

"ای دعوت کا....!"

"مارے..... آپ ہی نے تو کہا تھا کہ کہیں بیٹھ کر اطمینان سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"
"وہ گفتگو تو کل پر بھی مل سکتی تھی۔"

"ج کہتا ہوں جناب۔ آپ سے جیتنا بھی مشکل ہے اور ہارنا تو ایسا ہے جیسے....!"
"بیرونیں مہندی ہو رہی ہیں۔" آصف بات کاٹ کر بولا۔ "کم سے کم الفاظ میں مقصد بیان کرو۔"

"میں متواتر چھسات دونوں سے اس لڑکی کو دیکھ رہا ہوں یا اس کے بارے میں بروپرنس کرن رہا ہوں؟"

"یہ کیا بکواس شروع کر دی۔" آصف بگز کر بولا۔ "کیا اس کا خیال بھی نہیں رکھ سکتے کہ میں عمر میں تم سے لکھتا رہا ہوں۔"

آصف کچھ نہ بولا۔ شائد وہ حمید کے اس جملے میں خلوص خلاش کرنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ پھر راستہ خاموشی سے طے ہوتا رہا۔ وہ شہری آبادی کو بیچھے چھوڑ چکے تھے۔

رات سرداور تاریک تھی۔ گھر کی ہلکی سی تہہ فضاے بیط پر مسلط تھی اور سڑک سنان۔

آصف نے پھر سگریٹ سلاکائی اور ایک طویل کش لے کر دھواں چھوڑتا ہوا بولا۔ "میرا سائیکل پر تو واقعی شامت ہی آ جاتی۔ غصب کی سردی ہے۔"

"بیرونیں کھلایا کیجئے۔"

"کیا مطلب....؟"

"اُس عمر میں پرندوں کا گوشہ محنت کے لئے مفید ہے۔"

"چلو بیرونیں کھاؤں گا۔"

"آپ میرے مہماں ہیں۔ کچھ بھی کھائیے۔"

جواب میں آصف کی "ہوں" معنی خیز تھی۔

پھر نیا گرہ تک بیچنے کے دوران میں کچھ نہیں بولے تھے۔ نیا گرہ حسب دستور پوری طرح آباد تھا۔ ڈائینگ ہل میں کھڑے ہو کر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یہ ہوٹل شہر سے کافی فاصلے پر واقع ہے۔

"ہوں..... رک کیوں گئے؟" آصف نے حمید سے کہا، جو صدر دروازے کے قریب رک کر چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔

"ذیکر رہا ہوں کوئی معقولیتی نہیں۔"

"معیار کیا ہے آپ کی معقولیت کا۔" آصف نے زہریلے نجی میں پوچھا۔

"نیز کے آس پاس جاندار اور تحرک بنا تھات ہوئی چاہئے۔"

"بے ہوگی میرے ساتھ نہیں چلے گی۔"

"تو پھر آپ ہی منتخب کیجئے۔" حمید نے پھر سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔

دچپ کیس میرے پاس باقاعدہ طور پر نہ آئے تب بھی اس میں میری دچپی برقرار رہتی ہے اور میں اس کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں۔ پچھلے دنوں کی بات ہے میں نے اسپنٹر ملک کو ان کے کیس کے بارے میں اگسٹ پ دی تھی کہ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

آصف کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے کھاتا رہا۔ کافی ختم کر کچنے کے بعد بھی اس کے ہونٹ پچھے رہے۔ غالباً وہ مسلسل سوچے جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”تم نے کتنی بار اس لڑکی کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔“

”تین بار.....!“ حمید نے جواب دیا اور پاپ سلگانے لگا۔

”تم نے یقیناً اس کا تعاقب کیا ہوگا؟“

”دوبار..... آج تو میں آپ کو اس کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔“

”فریدی سے بھی تذکرہ کیا ہوگا۔“

”یقیناً..... لیکن انہوں نے ذرہ برا بر بھی دچپی ظاہر نہیں کی۔ آج کل وہ پھر لا ابیری نہیں ہو رہے ہیں۔ آفس کے اوقات کے علاوہ اور سارا وقت کتب بینی میں صرف کر رہے ہیں۔“

”بہر حال تم باقاعدہ طور پر اس لڑکی کی ٹوہ میں رہے ہو گے۔“

”میں اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ لڑکی غیر معمولی طور پر حسین بھی ہے۔“

”ظاہر ہے..... ویسے میرا یہ مقصد نہیں تھا کہ آپ کو اس کے حسن سے متاثر کرنے کی کوشش کروں۔“

آصف نے اسے گھوڑ کر دیکھا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ حمید بھی دوسری طرف دیکھنے لگا تھا اور اس کے چہرے پر گھری سمجھیدگی طاری تھی۔

دفترا وہ اچھل پڑا..... اس طرح چونکئے پر آصف دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ پھر اس کی نظروں کا تعاقب کرتی ہوئی اس کی نگاہ اس لڑکی کی تکمیل بھی جا پہنچی۔

حمدادے تحریر انداز میں دیکھے جا رہا تھا۔

یہ لڑکی ابھی ابھی ہال میں داخل ہوئی تھی۔

”اب تو یقیناً ٹھنڈی ہو جائیں گی بیٹریں۔“ حمید بڑا بڑا۔ پھر اوپنجی آواز میں بولا۔

”کیا آپ کو یاد نہیں کہ ایک لڑکی نے سارا سکھیل بگاڑا تھا۔“

”کہاں کی ہاںک رہے ہو.....!“ آصف نے ایک شیر کو فور ک سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

”خیر اگر آپ نے نہیں دیکھا تھا تو پھر اس تذکرے کی ضرورت ہی نہیں۔“ حمید نے ہمی

فور ک سنبھالتے ہوئے کہا۔

”میں پوچھ رہا ہوں کہ کس لڑکی نے کون سا سکھیل بگاڑا تھا۔“

”اب تو میں بڑی دشواری میں پڑ گیا ہوں۔“ حمید نے بہ آواز بلند سوچا۔

”کیسی دشواری.....؟“

”جب آپ کو ایک بات کا احساس ہی نہ ہو سکتا تھا تو پھر میں خواہ خواہ یقین دہانی کے پھر میں کیوں پڑوں.....؟“

”صاف صاف کہو.....!“

”وہ لڑکی جو موڑ سائکل کے سامنے آئی تھی۔“

”کہاں.....؟ کب.....؟“

”یہ اس گلی کے موڑ کی بات ہے جہاں آپ نے اس دیوانے کا سراغ کھو دیا تھا۔“

”کیا تم مجھ کہہ رہے ہو۔“ آصف نے فریدی کے سے انداز میں حمید کی آنکھوں میں دیکھنے کی ایکنگ کرتے ہوئے کہا۔

حمدادے سر کو ابتدی جنبش دی۔

”تب تو..... مجھے سوچنے دو۔“ آصف نے پر ٹھکر انداز میں کہا اور خلاء میں گھوڑتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ کوئی لڑکی ہی نہیں..... اور میرے خدا۔“

”یہی نہیں..... بلکہ میں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ ہمیشہ اسی لڑکی کی وجہ سے نکلا تھا ہے۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ.....!“

”کھاتے رہے..... ورنہ بیٹریں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ جی ہاں یہ میری عادت ہے۔ کوئی

کر لیجئے۔ ہو سکتا ہے میں آپ کو گمراہ کر رہا ہوں۔“

”نہیں اسکی کوئی بات نہیں۔ میں صرفطمینان کرنا چاہتا ہوں۔“

”اوے.....!“ حمید نے لاپرواںی سے شانوں کو جنت دی اور ویٹر کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ مل ادا کر کے وہ اٹھ گئے۔ باہر سردی بڑھ گئی تھی۔

آصف اس دوران میں دور ہی کھڑا رہا تھا۔ لیکن پارکنگ شیڈ سے جیسے ہی باہر آئی وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول کر حمید کے قریب بیٹھتا ہوا بولا۔ ”وہ بھی پارکنگ شیڈ کی طرف آرہے ہیں۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ گاڑی کو کپڑاٹ کے چھانک کی طرف لیتا چلا گیا۔

”تمہیں سانپ کیوں سوچ گیا ہے؟“ آصف نے کچھ دیر بعد کہا اور پھر مرکر چیچھے دیکھنے لگا۔

”کیا میں اس محاورے کی تشریح کروں؟“ حمید بولا۔

”میرا خیال ہے چیچھے آنے والی گاڑی میں وہی دونوں ہیں۔“

”خدا کرے ایسا ہی ہو۔ ورنہ آپ نہ جانیں کیا سوچیں۔“

آصف بکچھ نہ بولا۔ راستے ہوتا رہا۔ پشت پر صرف ایک گاڑی کے ہیڈ لیپ نظر آرہے تھے۔ اس کے چیچھے دور دوستک اور کوئی گاڑی نہیں تھی۔

”تو تم اس لڑکی کے ٹھکانے سے واقف ہو گے۔“ آصف نے کہا۔

”ایک عمارت سے واقف ہوں لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ وہیں رہتی بھی ہوگی۔“

”دونوں باروہ اسی عمارت میں گئی تھی۔“

”جی ہاں۔“

”تو پھر اس کے علاوہ اور کیا کہو گے وہ وہیں رہتی ہوگی۔“

”خدا جانے۔“ حمید نے بے دلی سے کہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب وہ اس موضوع پر

گفتگونہ کرنا چاہتا ہو۔

شہر میں داخل ہو جانے کے بعد بھی وہ گاڑی ان کے چیچھے لگی رعنی اور ایک بار پھر آصف

آصف نے پھر حمید کی طرف دیکھا۔ اب حمید آنکھوں میں وہی تحریر نہ تاثر لئے آصف کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کیوں..... کیا بات ہے؟“ آصف نے پوچھا۔

”مجھے حرمت ہے۔“

”کس بات پر.....؟“

”کافی اور پچھے۔“

”میں پوچھ رہا ہوں تمہیں کس بات پر حرمت ہے۔“ آصف آنکھیں نکال کر بولا۔

”وہ بھی پچھے گئی۔“

”کون.....؟“

”وہی لڑکی.....!“

”کیا بلکہ ہو۔“ آصف نے کہا اور پھر لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا جواب ایک خالی میز کے قریب کھڑی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے لڑکی کو بھی کسی کا انتقال ہو۔ دھتنا حمید آہستہ سے بولا۔ ”اس طرح نہ دیکھئے اس کی طرف۔۔۔ شاہد ہمارا تعاقب کرتی ہوئی یہاں تک آئی ہے۔“

آصف اس طرح حمید کی طرف دیکھنے لگا جیسے مشور نے کی معقولیت میں شہر رہا ہو۔ حمید سر جھکا کر بچھا ہوا پاپ سلانے لگا تھا۔

آصف بھی کبھی انکھیوں سے لڑکی کی طرف دیکھ لیتا۔ اب وہ تھا نہیں تھی۔ متوسط عمر کا ایک قوی یہیں آدمی بھی اس کی میز پر تھا۔

”مل ادا کر دو۔“ آصف نے حمید سے کہا۔

”کیوں..... کیا بیٹھیں گے نہیں؟“ حمید بولا۔

”جو کہہ رہا ہوں کرو۔ میں تمہارے اندریشے کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔“

”اچھی بات ہے۔“ حمید نے کہہ کر طویل سانس لی اور بولا۔ ”ٹھیک ہے۔ تصدیق

بچھ کا انتظام ہو گیا تھا جس کی کنجی کاؤنٹر کلر کے پاس رہتی تھی۔ یہ تبدیلی انتظامی امور کے نئے حال ہی میں ہوئی تھی۔ ورنہ پہلے گاہک بھی کاؤنٹر ہی کا فون استعمال کر لیتے تھے۔ آصف کنجی نے کر بوجھ کی طرف چلا گیا۔

اپنے کسی ماتحت کو فون پر ان دونوں کا حلیہ ذہن نشین کرانے کے بعد اس نے کہا۔ ”وس منٹ کے اندر اندر آرچجو کے گیٹ پر پہنچ جاؤ۔ میں فریدی کی لگن میں ہوں گا اور ان دونوں کی گاڑی لگن کا تعاقب کر رہی ہوگی۔“

رسیور کھکھ کر وہ باہر نکلا۔ بوجھ مغلول کر کے کنجی کاؤنٹر کلر کے سپرد کی اور پھر میزوں کی طرف مڑا ہی تھا کہ حمید کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا۔

”کمال ہو گیا۔“ قریب پہنچ کر وہ بوکھلانے ہوئے لجھ میں بولا۔ ”وہ دونوں تو چلے گئے لیکن ان کا وہ نہیں بیگ۔“

آصف کی نظر ان دونوں کی میزوں کی طرف گئی۔ لڑکی کا سفید و نیٹی بیگ رکھا دکھائی دیا اور پھر قفل اس کے کروہ مڑ کر حمید سے کچھ کہتا۔ ایک زور دار دھماکہ ہوا اور وہ نیٹی بیگ کے چیخڑے اڑ گئے۔

آبلے

دھماکے کے ساتھ ہی کئی چیزیں بھی بلند ہوئی تھیں۔ میزوں کے اللئے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ لیکن کسے ہوش تھا کہ وہ ان کے اللئے کے مناظر بھی دیکھتا۔ خود آصف کے اعصاب اس دھماکے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔

لوگ چیخ رہے تھے۔ اٹھ کر بھاگ رہے تھے اور دھوئیں کا جنم تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ بھاگ بھی رہے تھے اور کھانس بھی رہے تھے۔

Scanned by iqbalmt

نے اپنے شبہ کی تصدیق کرنی چاہی۔

اس کے لئے انہیں گاڑی روک کر آرچجو میں داخل ہونا پڑا تھا اور اس بار آصف نے کافی کا آرڈر دیتے ہوئے حمید سے کہا تھا۔

”تم بھی کیا یاد کرو گے۔“

”میں تو ایسے بزرگوں کو ہر وقت یاد رکھتا ہوں۔“ حمید بولا۔

آصف صدر دروازے کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد نیا گرا والی لڑکی یہاں بھی دکھائی دی۔ بھاری بھر کم آدمی اس کے پیچھے تھا۔

آصف نے طویل سانس لی اور پہ معنی انداز میں سر ہلانے لگا۔

”اب کیا خیال ہے....!“ حمید نے پوچھا۔

”یقین کرنا ہی بڑے گا۔“ آصف پر تشویش لجھ میں بولا۔ تو یہ رود مجھے شیڈ کر دے ہے ہیں۔“

”میرے طرف سے اسے ٹپ ہی بھجھے۔“ حمید بولا۔ ”اب آپ مجھے اپنے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہو اسے پائیں گے۔“

”میں نے تمہاری حد تک بھی بھی نہیں خیالات نہیں رکھ۔“

”میں بھجھتا ہوں۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔

”فریدی سے بھی کوئی ذاتی پر خاش نہیں۔۔۔ بن اکڑہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور نہ مجھے۔“

”بھلا میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ ماتحت کا تو مقدار ہی بھی ہے کہ ہر قسم کی اکڑ برداشت کرتا رہے۔“

پھر حمید نے شامکڑ بردستی ہی کافی زہر مار کی تھی۔ کافی ختم کر کے اس نے کہا۔ ”چلنے آپ کو موڑ سائکل تک پہنچا دوں۔“

”ایبھی شہر و..... میں ان دونوں کی نگرانی کا انتظام تو کراؤ۔“ آصف اٹھتا ہوا بولا۔

”بھر حال اب میرا کام ختم ہو گیا۔۔۔ آپ جائیں۔“

آصف کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔ یہاں ان دونوں گاہوں، کے لئے الگ ٹیلی فون

”تھماری راتیں زیادہ تر گھر سے باہر نکلنے لگ رہی ہیں۔“
”آپ جیسوں کے ساتھ تو نہیں گذر دیں۔“

”کیا مطلب....؟“ آصف نے آنکھیں نکالیں۔

”مم..... مطلب یہ کہ..... بب..... بزرگوں کے ساتھ تو نہیں گذر دیں۔“

”آج بھی کمی۔“ آصف سر ہلا کر مسکرا دیا اور حمید طویل سانس لے کر رہا گیا۔

پھر آصف نے دوسرا سڑک سے ایک سفید پوش کاشیل کو بلا کر موڑ سائیکل اس کے حوالے کی اور دوبارہ لٹکن میں آبیٹھا۔

”چلواب کہاں چلتے ہو۔“ اس نے حمید سے کہا اور حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔
”تم نے نہیں۔“

”بھلا میں آپ کو کہاں لے جاؤ۔“

”بھی تو میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ملکہ سراج رسمی کے لائق آفیسر اپنی راتیں کہاں گزارتے ہیں۔“

حمدید کے چیرے پر تشویش کے آثار صاف دیکھے جاسکتے تھے۔ آصف اسے تیکھی نظر وہ سے دیکھتا ہوا دوبارہ بولا۔ ”کوئی ایسی پریشانی کی بات نہیں۔ میں تمہارے مشاغل میں خلل نہیں ڈالوں گا۔“

”یہ بات نہیں..... آپ دراصل بوریت محسوس کریں گے۔“

”فکر نہ کرو..... چلو...!“ آصف اس کے شانے پر چکی دے کر بولا۔

حمدید نے گاڑی اسٹارٹ کی اور نچلا ہونٹ دانچوں میں دبائے اسٹرینگ کرتا رہا۔ خود اس نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ لیکن آصف بولے جارہا تھا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کی اس حرکت کو کس خانے میں فٹ کروں۔“

”میں تو سب کچھ خسل خانے میں فٹ کرتا ہوں۔“ حمید بول پڑا۔

”معذکلہ اڑا رہے ہو میرا۔“

آصف کو اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کیسے عمارت سے باہر نکلا تھا اور کس طرح حمید نے اسے لٹکن میں ٹھوں دیا تھا۔

گاڑی خاصی تیز رفتار سے روشن ہوئی تھی۔ سرد ہوا کے تپھیروں نے اسے احساس دلایا کہ وہ کسی طرح آرچجو کی عمارت سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

”اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔“ اس نے پھنسی پھنسی سی آواز میں پوچھا۔

”وہیں جہاں آپ کی موڑ سائیکل چھوڑی تھی۔“ حمید نے جواب دیا۔

”لیکن ہم وہاں سے کیوں چلے آئے۔“

”رُک ہی کر کیا کرتے؟“

”پھر بھی موقع واردات سے اس طرح بھاگ نکلا ہمارے لئے مناسب نہیں تھا۔“

”اب کیا ہو سکتا ہے۔ آپ کو وہیں خیال دلانا چاہئے تھا۔“

آصف کچھ نہ بول۔

بلاؤ خر لٹکن وہیں آپکی جہاں موڑ سائیکل کھڑی کی گئی تھی۔

”میں سوچتا ہوں موڑ سائیکل کسی کے حوالے کر کے یہ رات تمہارے ہی ساتھ گزار دوں۔“ آصف نے کچھ سوتے ہوئے کہا اور حمید بے ساختہ اچل پڑا۔

”میرے ساتھ..... ارے جناب یہ رہیں مونچھیں..... یہ ڈاڑھی..... پینٹ اور جیکٹ میں ہوں۔ شلوار اور جپیر میں نہیں۔“

”شٹ اپ.....!“ آصف خفت آمیز لبھ میں غزا۔

”میں نہیں کچھ سکتا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔“ حمید نے بے بسی سے کہا۔

”اب تم جہاں بھی چلنا چاہو مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔“

”بن گئی درگت.....!“ حمید کر اہا۔

”کیا مطلب.....?“

”ظاہر ہے کہ آپ میرے ساتھ گھر جانے سے توبہ ہے۔“

پھر وہ ان خیبوں کے درمیان جا پہنچے جہاں کئی پڑو میکس لیپ روشن تھے۔ ایک جگہ بہت
بڑا جل رہا تھا جس میں لکڑی کے بڑے بڑے کندے چیڑ رہے تھے۔
کچھ لوگ الاؤ کے گرد کریساں ڈالے بیٹھے نظر آئے۔
وہ دونوں گاڑی سے نہیں آتے تھے۔ آصف نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پر معنی
انداز میں پوچھا۔ ”یہاں کیا ہو رہا ہے؟“

”سب کوارے ہیں۔ آپ بے فکر ہیں۔“ حمید نے جواب دیا۔
”میری باتوں کا جواب دیتے وقت حتماً طراہ کرو۔“ آصف چھنگلا کر بولا۔
حمید نیچے آترنے کے لئے دروازے کا ہینڈل گھماڑا تھا۔
محجور آصف کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔ الاؤ کے گرد بیٹھے ہوئے لوگ انہیں دیکھ کر
کھڑے ہو گئے۔

”ارے..... اپنا کیپشن ہے۔“ ان میں سے کسی نے بہ آواز بلند کہا۔
اور پھر انہوں نے آگے بڑھ کر دونوں کو گھیرے میں لے لیا۔
”کیپشن..... ایک واردات ہو گئی ہے۔“ ان میں سے ایک بولا۔
”واردات کو جہنم میں جھوکلو۔“ دوسرا کسی قدر غصیل آواز میں بولا۔ یہ صاحب جوان کے
ساتھ آئے ہیں کوارے نہیں معلوم ہوتے۔“

آصف خچلا ہوٹ کاٹ کر رہا گیا۔
”کوارے ہی ہیں۔“ حمید لاپڑائی سے بولا۔ ”کس قسم کی واردات ہوئی ہے؟“
”ایک شادی شدہ آدمی کی موجودگی میں ہم گھنکو نہیں کریں گے۔“ وہی آدمی عریا جس
نے آصف کی موجودگی پر اعتراض کیا تھا۔
”یہ کیا بکواس ہے؟“ آصف حمید پر الٹ پڑا۔
”میں نے پہلے ہی آپ سے عرض کیا تھا کہ وہ جگہ آپ کے لئے مناسب نہ ہوگی۔
جہاں میں آج کل رات بر کرتا ہوں۔“

”آپ سمجھ نہیں۔ غور و فکر کے لئے غسل خانے سے بہتر اور کوئی مقام نہیں۔“
آصف ناخوشگوار لبجھ میں کچھ بڑا بڑا تھا جسے حمید نہ سن سکا۔
گاڑی پھر شہری آبادی کو پیچھے چھوڑ رہی تھی۔
”اب کہاں جا رہے ہو۔“ آصف نے چونک کر پوچھا۔
”حمد کچھ نہ بولا۔“

”کیا تم اونگ رہے ہو۔ میری بات کا جواب دو۔“
”سمجھ میں نہیں آتا۔ آج کس گناہ کی سزا مل رہی ہے۔“
”کیا مطلب....؟“
”سمی کرنے کی بجائے کوئی میں چھلانگ لگا دینا چاہئے۔“
”اخاہ..... تو جھے پر کار گزاری کا رعب ڈالا جا رہا ہے۔“
”نہیں..... انکل ڈیر..... میں تو اپنی قسمت کو رورہا ہوں۔“
”میں پوچھ رہا ہوں تم جا کہاں رہے ہو۔“
”میں آج کل رات بھر خانہ بدوشوں کی سی زندگی بر کر رہا ہوں۔ چھ ماہ سے کوئی رات
چھت کے نیچے نہیں گزاری۔“

”پھر بھی..... ہم کہاں جا رہے ہیں؟“
”وہ دیکھتے سامنے روشنی نظر آ رہی ہے..... وہی ہے میری منزل۔“
”اوہ..... ہے تو..... یہاں اس ویرانے میں..... یہ کیا بلا ہے!“
”بے گلوں کا یک پ۔“
”کیا مطلب....؟“
”بن دیکھ لیجئے گا۔“

گاڑی پنچتہ سڑک سے کچے میں اتر رہی تھی۔
آصف پھر بڑا نے لگا تھا۔ لیکن حمید اس کی طرف دھیان دیتے بغیر اسٹریگ کرتا رہا۔

”وابپیں چلو۔“

”صاحب..... غصہ بڑی چیز ہے۔“ ایک کنوار اکھہ رہا تھا۔ ”لیکن شادی شدہ لوگوں کا
میرہ انتیاز بند کر رہا جاتا ہے۔“

آصف کچھ نہ بولا۔ وہ سُگریٹ سلاکار رہا تھا۔

پھر ان لوگوں نے حمید کے بکرے کی خیریت دریافت کی اور یہ معلوم کر کے کہ وہ ان
ذوں زکام میں بجلا ہے اسے تسلیاں دیتے رہے۔

”جو شاندہ ہرگز نہ پلانا۔“ ایک بولا۔ ”نزل خلک ہو جائے گا۔“

دوسرابولا۔ ”حکیم و حید کو دکھا دو۔ بکروں کی نفیات کے بھی ماہر ہیں۔ ابھی حال میں یہ
بکروں کی پرورش و پرداشت کے بارے میں ایک رسالہ بھی نکلا ہے۔“

”کس بے درد کا تذکرہ جھیٹ دیا تم نے۔“ تیرنے نے کہا۔ ”خیرہ مردار یہ میں مردار یہ
کے علاوہ اور سب کچھ ڈلاتے ہیں۔ البتہ پیانگ شاندار ہوتا ہے۔ لہذا میرا خیال ہے کہ تم
بکرے کو بہتر سے بہتر لباس پہناو۔ اللہ نے چاہا تو نزل رفع ہو جائے گا اور قوم بھی تمہاری اس
راشتندی پر واہ واہ کرے گی۔“

”آپ کی کیتا کا کیا حال ہے؟“ حمید نے اس سے پوچھا۔

”مارتحا نام ہے اس کا۔“ اس نے بُر امان کر کہا۔

”آئی ایم سوری۔.... محترمہ مارتحا کے مزانج کیسے ہیں۔“

”دن رات بھوکتی رہتی ہے۔ پہنیں کیا دکھے ہے بے چاری کو۔“

”میں کہتا ہوں میرے آر قھر....!“ ایک نے کچھ کہنا چاہا لیکن ”مارتحا“ والا بھڑک اٹھا۔

”بل خاموش۔ اس کتے کی بات نہ کیجئے۔“

”آر قھر نام ہے۔“ وہ غریا۔

”کیوں کیپشن تم نے دیکھا ہے اس خارش زدہ کتے کو جس کا نام انہوں نے آر قھر رکھا ہے۔“

”بل بس بہت ہو چکا۔“

”کیا کریں گے آپ۔“ دوسرے نے تھنے پھلانے۔

”میرا خیال ہے۔“ حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن ایک آدمی نے تھنے سے اس کی بات ادا
کر آصف سے کہا۔ ”صاحب! آپ کی بیوی مر چکی ہو تب بھی ہم آپ کو برداشت کر لیں گے۔“
”کیا بیہودگی ہے۔“ آصف حمید کو چھاڑ کھانے دوڑا۔

”یقیناً آپ کی بیوی زندہ ہے ورنہ آپ بھی تمہاری یعنی طرح محدثے دماغ والے
ہوتے۔“ ایک کنوار ابول۔

”شش آپ....!“ آصف نے تن کر اسے لکھا اور وہ مغلکہ اڑانے والے انداز میں
ہنس کر خاموش ہو رہا۔

اب وہ سب یہ خاموش کھڑے آصف کو اس طرح گھور ہے تھجھیے دہ کسی دوسرا دنیا
کی مغلوق ہو۔

”بعض حالات میں اصولوں سے اگراف بھی کیا جاسکتا ہے۔“ حمید نے مخاطب کیا۔

”وہ کس قسم کے حالات ہو سکتے ہیں مسٹر کیپشن....؟“ ایک نے طرفہ بچھ میں سوال کیا۔

”فرض کرلو..... میں صرف نام کا شوہر ہوں۔“

”یوڈرٹی میٹ....!“ آصف دانت پیس کر بربر ہوا۔

لیکن حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر کھتارہ۔ ”کچھ لوگ والدین کے ڈریے شادی
کر لیتے ہیں..... دل سے شوہرنیں ہوتے۔“

”تم بکواس بند نہیں کرو گے۔“ آصف نے حمید کی ٹائی پکڑ کر جھکا دیا۔

”اُنے صاحب! فقا ہونے کی ضرورت نہیں۔“ ان میں سے ایک نے آصف کا ہاتھ
پکڑتے ہوئے کہا۔ ”ہم کیپشن حمید کی خاطر آپ کو برداشت کرنے پر تیار ہیں۔“

پھر آصف نے سوچا کہ خواہ خواہ بکو بننے سے فائدہ..... اُسے دماغ محدثا رکھنا چاہئے۔

ورنہ یہ لوگ اُسے چیکیوں میں اڑا دیں گے۔ اس نے حمید کی ٹائی چھوڑ کر جیب سے سُگریٹ کا
پیکٹ نکلا اور بُر اسامنہ بنائے ہوئے الاؤ میں پھٹھے ہوئے کندوں کی طرف دیکھنے لگا۔

”مجھے اس سے پاک محبت ہے۔“ نوجوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
 ”ایمی تک محبت تھی۔ اب پاک بھی ہو گئی۔ تو کیا کوئی ناپاک محبت بھی ہوتی ہے۔“
 نوجوان کچھ نہ بولا۔
 ”جواب دو۔“ بوڑھا غرا کر کھڑا ہو گیا۔
 ”ارے صاحب جانے دیجئے۔“ آصف جلدی سے بول پڑا۔ ”صاحب زادے ہیں۔
 آپ نے بھی اپنی عمر میں....!“
 ”جی نہیں۔ اگر میں نے اپنی عمر میں کچھ کیا ہوتا تو یہ ”میرے“ صاحب زادے ہوتے۔
 کہیںچن حمید پلیز.... کیا آپ کسی شادی شدہ آدمی کو ہمارے کیپ میں لائے ہیں۔“
 ”یوہی مر جگی ہے۔“ حمید تر سے بولا۔
 ”شٹ اپ..... یوائیٹ یوائیٹ.....“ آصف کوچھ جھ غصہ آ گیا۔
 ”خدا کی قسم یہ شخص شادی شدہ معلوم ہوتا ہے اور یوہی بھی زندہ ہے۔“
 ”خاموش رہو۔“ آصف آنکھیں نکال کر بولا۔ ”میں بے تکلفی کا عادی نہیں۔ ہو سکتا ہے
 تم کہیںچن حمید کے دوست ہو۔ لیکن میں تمہارے لئے ابھی ہوں۔“
 ”بالکل شادی شدہ۔ میں شرط لگا سکتا ہوں۔“ بوڑھا سر ہلا کر بولا۔
 ”چلو یہاں سے۔“ آصف حمید کا بازو و پکڑ کر جھبھوڑتا ہوا چینا۔
 پھر وہ اسے کھینچتا ہوا خیسے سے باہر نکال لایا۔
 ”کل ہی ان مردوں سے سمجھ لوں گا۔“ وہ کاڑی میں بیٹھ کر ہاپٹا ہوا بولا۔
 ”دینا کے مظلوم ترین لوگ ہیں جتاب۔“ حمید نے اُنہیں اشارت کرتے ہوئے کہا۔
 ”جرائم پیشہ معلوم ہوتے ہیں۔ کل ہی سے گمراہی شروع کراتا ہوں ان کی۔“
 ”کیا ہاتھ آئے گا۔“
 ”کس کی اجازت سے انہوں نے کہیںچن کی ہے؟“
 ”وہ اپنی زمین پر جو کچھ جائیں کر سکتے ہیں۔ کیا آپ نے نواب مشرف کو پیچا نہیں۔“

”اب کیا کتوں کے والدین لڑپڑیں گے آپس میں۔“ آصف نے بے حد زہر یہ لے لے
 میں کہا۔
 ”جی ہاں..... آپ سے اپنے بچے نہیں پالے جاتے۔ ہم کے پالتے ہیں اور انہیں
 بہترین تربیت دیتے ہیں۔ طرزہ فرمائیے ہم پر....!“
 ””حیدم تم کتنی دریھرو گے کیا ہے؟“ آصف غریبا۔
 ”ذرا ایک صاحب کی بیلوں کی خیریت بھی دریافت کروں۔“ حیدم نے ایک خیٹے کی
 طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”آپ بھی آئیے۔“
 خیٹے میں پیٹرو میکس بل رہا تھا۔ یہاں دو آدمی نظر آئے۔ لیکن وہ ان کی طرف متوجہ نہیں
 ہوئے تھے۔ معمراً دمی سامنے بیٹھنے ہوئے نوجوان کو کچھ سمجھا رہا تھا۔
 حمید نے پانگ دمل ایک عدد ”سلام“ رسید کر کے ان کی خیریت دریافت کی۔
 ”صاحب زادے کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ معمراً دمی نے سلام کا جواب دیئے بغیر
 نوجوان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
 ”کب....؟“ حمید نے مخصوصیت سے پوچھا۔
 ”بہت دنوں سے خراب تھا۔ مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے۔“ معمراً دمی نے جواب دیا۔
 اس نے انہیں بیٹھنے کو بھی نہیں کہا تھا۔ حمید نے خود ہی آصف کے لئے کیوں اس کی ایک
 فوٹاگ کری چیل کرتے ہوئے کہا۔ ”تشریف رکھئے۔“
 ”معمراً دمی نے آصف کی طرف دیکھا تک نہیں۔ وہ تو اس نوجوان کو اب بھی گھورے
 جا رہا تھا۔ دفتارہ اس پر برس پڑا۔
 ”عقل کے ناخ لور خوددار..... محبت اپنا جگہ پر ایک ہمہ گیر جذبہ ہے۔ اگر شہیں ہے
 محسوس ہوتا ہے کہ تم اس لڑکی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تو یہ محبت ہرگز نہیں ہے بلکہ رقبت کا
 خوف ہے۔ کہیں کوئی اور نہ لے اڑے۔ اگر کوئی اور لے اڑا تو اس سے تمہاری اناکوٹھیں لے
 گی اور تم خود کشی کر لو گے۔“

”چھوٹے بچے کو بھی نماری یے گولی۔ کیا وہ بڑا ہو کر جو روز کا غلام نہ کہلائے گا۔“

”کیا تم میرے ہاتھوں پٹنا جاتے ہو۔“

”وں جوتے مار لجھے۔ لیکن اب تو یوہ بچوں کو چھوڑنا ہی پڑے گا۔“

”مشت اپ....!“

”آپ جیسے سجادہ اور باوقار آدمیوں کو یوہ بچے بالکل سوت نہیں کرتے۔ وہ یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ ان پسٹر آصف آف سترل اشیٰ جنس کسی پختے منے کے باکھ لائیں۔ لا حول ولا قوہ!“
”اگر اب تم نے بکواس بندز کی تو....!“

”میں آپ کے لئے ایک عدد محظوظ بھی مہیا کر سکتا ہوں۔“

”حید میں بہت بڑی طرح پیش آؤں گا۔“ اس بار آصف نے ایسے لمحے میں کہا جس میں غصے کی جگلک تو موجود تھی لیکن یہ خواہش بھی اس سے متربع ہوتی تھی کہ وہ اس قسم کی گفتگو کئے ہی جائے۔

”انگریزی فلموں کے سراغ رسانوں کو دیکھئے۔۔۔ ایک ہاتھ میں یوں ہے تو دوسرا میں کسی چھکلی نما پر کٹی کا بازو۔۔۔ موڈرن بنئے موڈرن۔۔۔ انکل ڈیزروں زندگی محال ہو جائے گی۔“
”یعنی تمہاری طرح لکھوں اور ہٹلوں میں ناجاتا پھروں۔“

”میرے خدا....؟“ دفعتاً حید چونک کر بولا۔ ”ہم آخر کیا کرتے پھر رہے ہیں۔۔۔“

”کیا مطلب....؟“

”کیا آپ اس دھماکے کو بھول گئے۔“

”نہیں۔۔۔ مجھے یاد ہے اور میں سونچ رہا ہوں کہ یہ بھی تمہاری علی شرارۃ تھی۔“

”میری شرارۃ....؟“

”یقیناً۔۔۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تم نے پہلے ہی سے کوئی ایسی لڑکی تیار کر لکھی ہو جو میری توجہ اپنی طرف مبذول کر سکے۔“

”بھلا میں ایسا کیوں کرنے لگا۔۔۔“

”تواب مشرف۔“

”ہاں۔۔۔ شہر کا سب سے بڑا کنوارا۔“

”تو وہ بوڑھانو اب مشرف تھا۔“

”بھی ہاں۔“

”یہ کیا الغوریت پھیلار کھی ہے اس نے۔“

”شہر کے نامی گرامی کنو روں کا کلب بیانڈا ہاں میں کوئی بھی معمولی حیثیت کا نہیں ہے۔“

”تم مجھے یہاں آ لو بنا نے لائے تھے۔“

”سکن طرح یقین دلاؤں کی میں آج کلیں رات بر کرتا ہوں۔“

”تمہارے قبلہ و کعبہ بھی تو نامی گرامی کنو روں میں سے ہیں۔ وہ نہیں تشریف رکھتے یہاں۔“

”وہ شخص تو ہر معاملے میں عالمِ الشال ہے۔ خیر چھوڑیے۔ اب میں آپ کو بے حد

لچپ جگہ پر لے چلوں گا۔“

”نہیں۔۔۔ مجھے گھر پہنچا دو۔“ آصف نے غصیل آواز میں کہا۔

”بھی کمزوری ہے ازدواجی کی۔۔۔!“

”بکواس کرو گے مجھ سے۔“

”مجھے تسلیم کر آپ میرے بزرگ ہیں۔ سینٹر بھی ہیں۔ لیکن میری طرح قلندری نہیں

کر سکتے۔ میں تو کہتا ہوں یوہ بچوں کو ماریے گوئی۔“

”کبھی اپنے باپ سے بھی بھی کہو۔“

”کئی بار کہہ چکا ہوں کہ مرد بنئے۔ والدہ محترمہ کی سلواتیں کان دبا کر نہ سنا سمجھے۔ لیکن

سر میں جو نہیں ہوں تو ایک آدھ کان پر بھی رینگے۔“

”یہ کھرموز رہے ہو گاڑی۔۔۔ میں گھر جاؤں گا۔“

”یہ کیسے ممکن ہے۔۔۔ اب تو میں آپ کو خوش کر دوں گا۔“

”نہیں نہیں۔۔۔ میرے چھوٹے بچے کی طبیعت ٹھیک نہیں۔“

گارہا۔ اس نے ذرہ بر ابر بھی اُسے اہمیت نہیں دی تھی۔ لہذا اس سے بے خبر رہا کہ آہستہ آہستہ اس کی رفتار کم ہوتی جا رہی ہے۔ پھر ایک ایسا مژہ بھی آیا جہاں خود اُسے ہارن دے کر اگلی ہڑی سے آگے نکل جانے کی ضرورت پیش آئی۔

اگلی گاڑی نے اپنی پوزیشن برقرار رکھتے ہوئے اُسے راستہ بھی دے دیا۔ حمید نے بڑی اختیاط سے اسٹریٹ مگ گھما یا اور شاکر صرف چھاٹ کے فاصلے سے آگے نکل جانے کی کوشش کریں رہا تھا کہ آصف جیخ مار کر دھڑام سے اس پر آگرا۔ اسٹریٹ مگ پر ہاتھ بہکا اور گاڑی دائیں جانب کچے میں اتر کر ایک مکان سے ٹکراتے ٹکراتے پنجی۔ بڑے بچے بریک لگے تھے۔

اس نے غیر شوری طور پر انہیں کا سوچ آف کر دیا۔ آصف ڈیش بورڈ سے سرکائیے بڑی طرح کراہ رہا تھا۔ حمید نے گاڑی کے اندر روشنی کر دی۔ ”ارے مرا..... ارے مرا..... ہاپٹل..... ہاپٹل.....!“ آصف نے بدستور سر جھکائے ہوئے جیخ کر کہا۔ اس جیخ سے تکلیف کی شدت صاف ظاہر ہوئی تھی۔

”کیا ہوا..... کیا بات ہے؟“

”آگ لگی ہوئی ہے..... پورے چہرے میں..... میں آنکھیں نہیں کھول سکتا۔“

”آخ ہوا کیا؟“

”چلو!.....“ وہ بدستور سر جھکائے ہوئے چھا۔

اور حمید نے اضطراری طور پر انہیں اسٹارٹ کر کے ایکسیلز تیز پر دباؤ ڈالا۔ گاڑی جھکلے کے ساتھ آگے بڑھی اور اس کا بپر سامنے والی دیوار سے ٹکرای گیا۔ لیکن پھر بڑی پھرتی سے اس نے بریک لگائے تھے۔ ورنہ بپر کے بعد باڑی عین کی باری ہوتی۔

ریورس گیر میں گاڑی کو ڈال کر وہ پھر سڑک تک آیا اور اب پھر گاڑی کا رخ شہر ہی کی طرف تھا۔

”ارے میرے خدا.....!“ آصف کر اہل۔ ”آگ لگی ہوئی ہے۔“ پھر وہ اپنے ذہن کو قابو

”کیونکہ یہ حرمت انگریز کیس تھا۔ اس کے پرد نہیں کیا گیا۔ لہذا تم مجھے غلط راستے پر ڈالنا چاہتے ہو۔“

حمد نے تھہر لگایا اور بولا۔ ”جس پوچھتے تو میں جسی سوچ زہا تھا کہ آپ فوری طوف پر اسی نتیجے پر پہنچے ہوں گے۔“

”کیا میں غلط کہ رہا ہوں؟“ آصف نے غصیلے لمحے میں پوچھا۔

”شام میں فی الحال آپ کی غلط فہمی رفع نہ کر سکوں۔“

”لوغٹے ہو..... یہ انداز گفتگو مجھے مطمئن نہیں کر سکتا۔“

”اچھا جتاب.....!“ حمید طویل سانس لے کر رہا گیا۔

گاڑی شہری آبادی کے قریب ہوتی رہی۔

حمد نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”انکل ڈیزیر..... میں واقعی براہمی ہوں۔ مجھے کیا ضرورت تھی آپ سے تذکرہ کرنے کی۔“

”بات نہ بناؤ..... میں ایک ایک کو دکھلوں گا۔“

”تو پھر میں آپ کو گھر چھوڑ دوں۔“

”ہاں!.....“ آصف کی غواہت حمید کو بھی شاکر گریاں گذری تھی اور اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے تھی۔

حمد نے گاڑی دوسری طرف سڑک پر موز دی۔ سڑک سناہن تھی۔ دور دور تک سڑیک کا پتہ نہیں تھا۔ یہ سڑک ایسی بستی سے گذرتی تھی جہاں متون طبقے کے لوگ آباد تھے۔

وختا حمید نے عقب نما آئینے میں تیز تیم کی روشی دیکھی اور اس کی آنکھیں پتندھیا نے لگیں۔ گاڑی کی پوزیشن بھی ساتھ ہی تبدیل کرنی پڑی تھی۔ کیونکہ وہ بیچھے آنے والی اس تیز رفتار گاڑی کو راستہ دینا چاہتا تھا جس کے ہیئت لیپس کی روشی نے عقب نما آئینے کے ذریعہ اس کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کی تھی۔

گاڑی قریب سے گذر کر بالکل اس کے سامنے آگئی۔ لیکن بے خیال میں اس کے پیچے

میں رکھنے سے عاری نہ آنے لگا تھا۔ کچھ اپنے شایستہ Selahat ke ذمیل کیتے۔ جملہ
بدولت۔۔۔ تیری بدولت۔۔۔ ہائے شاکر میں اپنی آنکھیں بھی کھو بیٹھا ہوں۔۔۔

”آصف صاحب۔۔۔ جناب مجھے بتائیے۔۔۔ لکھ۔۔۔ کیا بات ہے؟“ حید بو کھلا گیا۔
”جلد سے جلد۔۔۔ ہائے!“

حید نے رفتار بڑھا لی۔ اب زیادہ تر سر کیس قریب سنبان عی خوچکی تھیں۔ اس
لئے حید کو کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ لکن فرانے بھر رہی تھی۔

”اوہ۔۔۔ کیا تم بھی محیری موت چاہتے ہو۔۔۔ آصف پچھہ در بعده چنا۔۔۔
”ہرامکانی کوش کر رہا ہوں جناب۔۔۔ حید نے کہا۔۔۔

”جلدی۔۔۔ جلدی۔۔۔ جلدی!“

”جادوئی اڑن قالین لاوں آپ کے لئے۔۔۔“ حید جنم جلا گیا۔

”میں تمہیں جان سے بازدوس گا۔۔۔ ذمیل۔۔۔ خاموش رہو۔۔۔“

”آصف صاحب بہت ہوچکا۔۔۔ اب زبان کو قابو میں رکھئے۔۔۔“
آصف کی زبان سے پھر مخالفات کا طوفان امنڈ پڑا۔۔۔

حید تحریر تھا۔۔۔ آصف کا اس حدک جانا بھی غیر معمولی عی بات تھی۔ اس سے پہلے بھی ایسا
نہیں ہوا تھا۔۔۔ آہستہ آہستہ اس کی آواز ذمیل پڑتی گی اور پھر وہ بالکل عی خاموش ہو گیا۔
اور پھر سوں بہتال بیٹھ کر تو حید کے پیروں تسلی سے زمین عی نکل گئی۔۔۔ آصف کا چہرہ
چھوٹے بڑے آبلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور اس پر مکمل بے ہوٹی طاری تھی۔۔۔

ڈیڈی

کرتل فریدی کیپن حیند کو قہر آلو نظروں سے گھور رہا تھا۔ حید بھی اس کی طرف دیکھتا اور

بھی اس کی نظریوں کی تاب نہ لا کر آنکھیں چڑھنے لگتا۔

”تم سے کس نے کہا تھا کہ آصف کے لئے اطلاعات فراہم کرو۔۔۔ بلا خود گیبھر آواز
میں بولا۔۔۔

”لکھ۔۔۔ کسی نے بھی نہیں۔۔۔“

”کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اس کے معاملات میں غل اندازی کرو۔۔۔
”نہیں تو۔۔۔“

”تو پھر۔۔۔؟“

”تم یہ سب کچھ کیوں کر گزرنے۔۔۔“

”بہ۔۔۔ بہ یونہی۔۔۔“

”لوگ کہہ رہے ہیں کہ آصف میری کی سازش کے تحت اس حال کو پہنچا ہے۔۔۔“

”آپ بھی کمال کرتے ہیں۔۔۔ لوگوں سے ہمیں کیا سروکار۔۔۔ ان لوگوں کا داماد تو بننا نہیں
ہے ہمیں کہ کسی قسم کی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔۔۔“

”شش اپ۔۔۔!“

”اوکے باس۔۔۔!“ حید نے اس امنہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

فریدی کے چہرے پر درشتی کے آثار تھے۔۔۔ دوسری طرف منہ پھیر کر اس نے بجھا ہوا سارے
سلکایا اور کھڑکی سے باہر دیکھتا ہوا کسی خیال میں الجھ کر رہا گیا۔۔۔

آہستہ آہستہ درشتی کے آثار غائب ہوتے جا رہے تھے۔۔۔ حید بھی ہمیں سے اسے دیکھتا رہا

اور جب یقین ہو گیا کہ اب اس کا ذہن کسی اور معاملے میں الجھ گیا ہے تو اس نے زیر لب کچھ

گلگلتے ہوئے اپنے پا اپ میں تباہ کو بھرنا شروع کیا۔

اور پھر جب وہ پا اپ سلگارہ تھا فریدی اس کی طرف متوجہ ہوا۔۔۔

”کیا آج تم آصف کو دیکھنے کے تھے۔۔۔“

”نہیں۔۔۔ بھی نہیں جاسکا۔۔۔“ حید بولا۔۔۔

”چھرے کے آبلوں نے گہری نیلی رنگیت اختیار کر لی ہے اور ایک آنکھ سے وہ قطبی نہر دیکھ لے۔“

”میری بھج میں نہیں آتا کہ میرا اس میں کیا قصور ہے۔“

”قصور....! فریدی اُسے گھور کر رہ گیا۔“

”شہر میں کچھ غیر معمولی نوار دیتمیں ہو رہی تھیں۔ کیا میری تشویش غیر فطری تھی۔ میں نے ان چیزوں کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر لیں جن کا علم آصف کو بھی نہیں تھا۔ پھر اگر میں نے اُسے آگاہ کر دیا تو اس میں کیا برائی تھی۔“

”اگر ایک بڑی بھی ان معلومات میں شامل نہ ہوتی تو مجھے یقین ہے کہ تم بڑی بے تعلقی سے اپنی راہ لگتے۔“

”چلنے بھی سمجھی۔“

”تعلیم کریو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔“

”اچھی بات ہے۔“

”اوکیا جانتے ہو اس کیس کے بارے میں؟“ فریدی نے کسی قدر بظیرہ لمحے میں سوال کیا۔

”اوکی.....اوکیاں.....لوگوں....!“

”شٹ اپ....!“

حمدی نے شانوں کو جنبش دی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

فریدی تھوڑی دری بعد بولا۔ ”اس کیس کا اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ وہ صرف ایک ہی مصنف کی ایک کتاب کا مخصوص ایڈیشن بک اسالوں پر سے اخھاتا پھر رہا ہے۔“

”تمہیں....!“ حمدی کے لمحے میں بے اعتباری تھی۔

”صرف ایک کتاب..... مجھے حیرت ہے کہ آصف نے اسی پر دھیان نہیں دیا۔“

”تو آپ پہلے ہی سے اس کیس میں دلچسپی لیتے رہے ہیں۔“

”ہرگز نہیں۔“ میں نے اس کی طرف دھیان بھی نہیں دیا تھا۔

”تو پھر....!“

”پچھلے دو دنوں سے مجھے اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا ہے۔ وہ بھی تمہاری وجہ سے نہ تم اپنی نامگ اڑاتے اور نہ مجھے اپنی موجودہ صروفیات ترک کرنی پڑتی۔“

”تو وہ ایک کتاب ہے۔“

”ہاں..... جرال اللہ آر رحمن کی کتاب ”سلور بلٹ“ کا پہلا ایڈیشن..... جس کے سرورق پر ایک بوڑھی عورت کی تصویر ہے اور ایک لاش کی..... عورت کے ہاتھ میں پستول ہے۔“

”لیکن آپ اتنی جلدی اس نتیجے پر کیسے پہنچ گئے کہ وہ ابھی تک صرف ایک ہی مصنف کی کوئی مخصوص کتاب اخھاتا آ رہا ہے۔“

”اُم کھیں کھلی رکھ کر کام کیا جائے تو اہم ترین نکتے فوراً ہی سامنے آ جاتے ہیں۔ میں

بنے ان سارے بک سلزر سے رابط قائم کیا جن کے اسالوں پر واقعات پیش آئیے تھے اور اس

نتیجے پر پہنچا کر وہ ایک کتاب اخھائی جاتی رہی ہے۔“

فریدی نے میرزی ایک دروازے اسے ایک کتاب نکال کر حمید کے سامنے ڈال دی۔

”سلور بلٹ“ جرال اللہ آر رحمن کی تازہ ترین کتاب تھی۔ سرورق خوبصورت تھا۔ پیش منظر میں ایک بوڑھی عورت کی تصویر تھی جس کے ہاتھ میں پستول تھا اور پس منظر میں ایک آدمی اوندھا گرتا نظر آ رہا تھا۔ جس کے نیچے خون پھیلا ہوا تھا اور ایک دروازہ..... دروازے کے باہر کافی

فاصلے پر ایک دھندا سایہ..... حمید اُسے یونہی بے خانی شیں دیکھتا رہا پھر ایک طرف سر کاتا ہوا

بولا۔ ”گٹ اپ خاصا اچھا ہے۔“

”بھی تک ایک بک سلزر ایسا نہیں ملا جس نے اس کتاب کے علاوہ کسی اور کسے

بارے میں اخھایا جانا بتایا ہو۔“

”صرف ایک کاپی؟“

”ضروری نہیں..... ایک دوکان پر تسلی اوپر وس کا پیاس رکھی ہوئی تھیں اور اس نے ساری

عن اخھائیے جانے کی کوشش کی تھی۔“

کہیں پھینک دیتا ہے۔“

”میں یقین کرنے پر تیار نہیں۔“ حمید برا سامنہ بنا کر بولا۔

”اس کی وجہ بدلنا قابل؟“

”آپ شروع سے تو اس کیس کو دیکھتے نہیں رہے۔ پھر وہ تفصیلات کہاں اسے ہاتھ لگیں جن کی طرف آصف نے بھی توجہ نہیں دی تھی۔“

”اپنے اپنے ذرائع ہوتے ہیں۔“

حمد تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ ”پھر بھی کیا بات نبی اس تصویر میں کیا رکھا ہے۔“

”بھی تو دیکھا ہے۔“

”آپ ہمیں دیکھیں گے۔“

”قطعی..... باضابط طور پر نہ کیجے سکا تو خی طور پر دیکھنا پڑنے گا۔ شاہد تم نے ساتھیوں کی چہ میگوئیاں نہیں سنیں۔“

”کبھی چہ میگوئیاں.....؟“

”سب کا ہمیں خیال ہے کہ آصف میری وجہ سے اس حال کو پہنچا ہے اور خود آصف بھی یہی سوچ رہا ہے۔“

حمد کچھ نہ بولا۔ وہ راکھ دان میں پاپ جلا ہوا تمبا کو جھاڑ رہا تھا۔

تحوڑی دیر بعد فریدی پھر بولا۔ ”لیکن یہ سب کچھ بے حد مصلحتہ خیز معلوم ہوتا ہے۔“

”مصلحتہ خیز کیوں؟“

”ہوش والا دھماکہ..... اور آصف کے ساتھ یہ حرکت..... کیا یہ غیر ضروری اور بے مقصد نہیں معلوم ہوتا۔“

حمد کچھ نہ بولا۔ اس نے خود بھی کئی بار ہمیں سوچا تھا۔ آخردھماک کیوں؟ کیا مقصد تھا اس کا..... اور پھر آصف کے چہرے پر کوئی زہریلا مادہ پھینکا گیا۔ آخر کیوں؟ اگر وہ اتنے ہی

”اور آصف اس بات کو نظر انداز کر گیا تھا۔“

”جب کوئی خاص نظر یہ قائم کر لیا جائے تو پھر اسی سے متعلق تفاصیل پر نظر رہتی ہے کسی اور جانب خیال جاتا ہی نہیں۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

ان وارداتوں سے متعلق عام نظر یہ ہے کہ چوروں اور گروہ کوں کا بہت بڑا گروہ اس حرکت کے سہارے اپنا کام کر جاتا ہے..... کتاب اٹھا کر بھاگنے والے کی وجہ سے افراتقری پیش ہے اور لوگوں کی جسمیں کٹ جاتی ہیں۔ دو کانوں دے قسمی اشیاء غائب ہو جاتی ہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ آصف بھی یہی نظر یہ رکھتا ہے۔“ حمید بولا۔

”دقائق فون کی گھنٹی بھی اور فریدی نے رسیور اٹھا لیا۔ دوسرا طرف سے بولنے والے کی بات وہ غالباً گھری توجہ سے سن رہا تھا کیونکہ اس کی پیشانی پر سلومنیں ابھر آئی تھیں۔ خود اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ صرف ”ہوں..... ہوں“ کرتا جا رہا تھا۔“

پھر رسیدور کر کر اس نے ایک طویل سانس لی اور مسکرا کر بولا۔

”وہ صرف اس تصویر کا رسیور معلوم ہوتا ہے۔“

”کون..... کس تصویر کا رسیور؟“

”کیا تم اونچھ رہے ہو....!“

”مہیں تو۔“

فریدی چند لمحے ابے گھورتا رہا پھر بولا۔ ”اکھی ہم اس آدمی ہی کے متعلق تو گفتگو کرنے رہے تھے جو بک اٹھا لوں سے کتابیں لے بھاگتا ہے۔“

”جی ہاں..... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔“

”یہ تصویر.....!“ فریدی نے کتاب کے سرونق کی طرف اشارہ کیا۔

”کیا مطلب.....؟“ حمید چوک پڑا۔

”تازہ ترین اطلاع ہے کہ وہ صرف یہ تصویر چھاڑ لے جاتا ہے اور کتاب راستے ہی میں

اس نے فریدی کو وہ مقامات بتا دیئے تھے جہاں جہاں وہ لڑکی دیکھی گئی تھی۔ اقا مسی عمارت کی نشاندہی بھی کر دی تھی۔ لیکن یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ حق تھا وہیں رہتی بھی ہوگی۔ بس یونہی اندازہ تھا۔

بہر حال فریدی نے اس سلسلے میں کیا کیا تھا اس کا علم اُسے نہیں تھا۔ ویسے اس وقت کی گفتگو سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ فریدی لڑکی کے معاملے میں کوئی واضح رائے نہیں رکھتا تھا پھر کسی قسم کے شہبے میں بتلا ہوا۔

خود حمید کو بھی ان معاملات میں لڑکی کی موجودگی کچھ عجیب سی لگتی رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ پولیس کی راہ میں رکاوٹ بننے کے علاوہ اُسے اپنی طرف متوجہ کرتے رہنے کی کوشش کرنی رہی ہو۔ حمید نے کئی بار محضوں کیا تھا جیسے لڑکی اس سے بھی باخبر ہو کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔

ہوٹل والا دھماکہ اسی بات کا غماز تھا کہ وہ پولیس کو کسی قسم کی دھمکی دینا چاہتے تھے اور اس کیونکہ دھماکے کے بعد ہوٹل سے کوئی ایسی اطلاع نہیں ملی تھی جس سے دھماکے کا کوئی مقصد سامنے آسکتا۔

آصف کے چہرے پر زہریاً مادہ پھینکے جانے کا مقصد بھی ظاہر تھا۔
دھمکی..... پولیس کو دھمکی۔

پھر کرنا کیا چاہئے۔ حمید کے ذہن کو یہ سوال بڑی دری سے ڈس رہا تھا۔ اس لڑکی یا اس کے ساتھی کو کہاں تلاش کیا جائے۔

وہ دونوں اُسے یقینی طور پر پہچانتے تھے ورنہ اس کا تعاقب کیوں کرتے۔ لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ پہلے ہی سے پہچانتے تھے یا آصف کی وساطت سے پہچانا تھا۔

اُسے وہ تجویش یاد آئی جب آصف پر زہریاً مادہ پھینکا گیا تھا۔ اس کا کچھ حصہ اس کے چہرے کو بھی داغدار بنا سکتا تھا۔ اتفاق ہی تو تھا کہ صرف آصف ہی کا چہرہ اس کی زد پر آیا۔

اتفاق..... اس نے طویل سانس لی اور اسی لفظ ”اتفاق“ کے تحت اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ

جیا لے ہیں تو پھر فائزی کر دینے میں کیا دشواری تھی ان لوگوں کو یہ سائبلبر لگے ہوئے ریو الور سے گولی بھی اسی آسانی کے ساتھ چلا سکتے تھے جس طرح زہریاً مادہ پھینکا گیا۔

”کیا سوچنے لگے؟“ دفعہ فریدی بولا۔

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ.....“

فریدی سگار سلاکانے لگا تھا۔ حمید اُسے ببورہ دیکھتا رہا۔ نظریں میں تو خلک لجھ میں بولا۔

”اس لڑکی کے بارے میں تھا را کیا خیال ہے؟“

”آنکھیں ذرا کچھ اور بڑی ہوتیں تو غصب کی چیز تھی۔“

”دماغ تو نہیں چل گیا۔“ فریدی آنکھیں نکال کر بولا۔

”کیوں.....؟“

”کو اس مت کرو۔“

”کیا میں نے کوئی غلط بات کہر دی۔“

”تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تم سے بات کی جائے۔“

”اچھا صاحب۔ وہ لڑکی نہیں میدے کی بوری ہے۔“ حمید نے مختنی سانس لی۔

”وہ شیش اپ..... شکر نے سے باہر نکل جاؤ۔“

حمدی نے اب تک دماغ مختندا رکھا تھا لیکن فریدی کے لجھنے اُسے بھی بھتنا جانے پر مجبور کر دیا۔ لہذا نکل آیا کہرے پرے باہر اور جب کپاڈ مٹ کے چاٹک سے باہر نکلا تو لکن کی بجائے اس گاڑی کے اسٹرینگ پر ہاتھ تھے جس کے زنگ اور نمبر صوب ضرورت و قتا فونقا تبدیل ہوتے رہتے تھے۔

ذہن میں کوئی خاص ایکم نہیں تھی۔ ویسے سوچ کر بھی نکلا تھا کہ آج کچھ نہ کچھ کر گزرنा ہے۔ آصف کو چیش آنے والے حادثے کے بعد کی تیری رات تھی اور اس کے بعد نے اس لڑکی کا سراغ نہیں ملا تھا۔ جن جگہوں پر حمید اُسے پہلے دیکھ چکا تھا وہاں پھر نہ کھائی دی۔ لڑکی کے ساتھ جو آدمی حادثے والی براہت کو نظر آیا تھا اس کا بھی کہیں پتہ نہ تھا۔

عجیب بات تھی کہ سب سے پہلے اس لڑکی پر نظر پڑی..... وہ ایک میز پر تھا تھی اور اس کے قریب کی تین میزیں خالی تھیں۔ حمید نے ان میں سے ایک کو منتخب کیا اور اپنی نشست کی پوزشن کچھ ایسی رکھی کہ لڑکی کی پشت اسی کی طرف رہے۔
وہ خاموش بیٹھی تھی۔

حمدی سونپنے لگا کہ وہ یا تو بہت دلیر ہے یا پھر خود کو کسی قسم کے شےے سے بالاتر بھجھتی ہے۔
حمدی اس دھماکے اور آصف کی درگت کے بعد اسی طرح آزادانہ سے پول میں نہ بیٹھ کتی۔
وہ بے تعقیل اندراز میں بیٹھا رہا..... پھر ٹھیک نوع ج کر پانچ منٹ پر ایک آدمی لڑکی کی میز کی جانب بڑھتا نظر آیا۔ یہ لگڑا تھا..... دائیں بغل کے نیچے بیساکھی تھی۔ پوشش اور صحت کے اعتبار سے کھاتا پیتا آدمی مسلمان ہوتا تھا۔ عمر چالیس سے زیادہ نہ رہی ہو گئی۔
لڑکی نے اٹھ کر اسے بیٹھنے میں مدد دی تھی۔

”میں بہت تحکم گیا ہوں.....!“ اس نے بھرا کی ہوئی آواز میں کہا۔
”کیا مجھے اس پر انہمار افسوس کرنا چاہئے؟“

حمدی نے لگڑے کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھئے۔ جو دوسرے عی لمحے میں غالب بھی ہو گئے اور اس نے مکار کر کہا۔ ”انہمار افسوس کرنے والے تو بہت ہیں۔ تم تو بس مکراتی رہا کرو۔“

”کل سے ہم یہاں نہیں ملیں گے۔“

”کیوں.....؟“

”بس یونہی..... پاپا جلد جلد اپنی زندگی میں تبدیلی چاہتے ہیں۔ دو ماہ سے زیادہ کسی مکان میں نہیں رہتے۔“

”پاپا.....؟“ لگڑے نے طویل سانس لی۔

”پاپا کے نام پر تم بھیشہ براسامنہ ہتاتے ہو۔“

”نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں۔“

Scanned by iqbalmt

دیا اور ذہن کو آزاد چھوڑ دینے کا نتیجہ یہ تکلا کہ ”اتفاقات“ کے بے شمار وقوع پے درپے یا
آتے چلے گئے اور یادداشتوں کے اسی ریلے میں ایک چوپیش ذہن کی سطح پر چکٹ اٹھی۔
اب اس وقت اس کی بڑی اہمیت تھی..... ورنہ پہلے تو اس کا شمار ضمیمات میں ہی ہوتا۔
ان دونوں جب وہ اس لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا ایک رات اس نے اسے کسی سے فون پر
گفتگو کرتے سن گھا۔

کچھ ہی دیر پہلے اس رات بھی کتاب والا ہنگامہ ہو چکا تھا۔ حمید نے اسے ان لوگوں کی راہ روکتے بھی دیکھا تھا جنہوں نے اس دیوانے کو پکونے کی کوشش کی تھی۔

اس کے بعد وہ اس کا تعاقب کرتا ہوا سے پول تک گیا تھا۔ لڑکی اس رات تھا ایسی۔
اس نے ہوٹل کے کاؤنٹر پر سے کسی کوفن کیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ وہ ہر رات نوبجے سے پول میں ضرور ہوتی ہے۔

حمدی نے سوچا اگر وہ ہر رات نوبجے سے پول میں موجود ہوتی ہے تو پھر اسے دہیں کیوں نہ دیکھا جائے۔

ابھی نوبجے میں میں منت باقی تھے..... دس منت میں وہ سے پول تک پہنچ سکتا تھا۔
اس نے اپنی کوٹ کی جیسیں ٹولیں..... اپر ٹرک والا ریڈی میڈ میک اپ ایک جیب میں موجود تھا۔

دو چھوٹے چھوٹے اپر ٹرک تھے۔ جنہیں نہتوں میں فٹ کر لینے سے نہ صرف ناک کی نوک اور اٹھ جاتی تھی بلکہ اوپری ہونٹ بھی اس طرح کھل جاتا تھا کہ سامنے کے دو دانت دکھائی دینے لگتے تھے۔ اگر ایسے میں وہ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک بھی لگایتا تو دن رات کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے تک اسے بچان نہیں سکتے تھے۔

سے پہلے کے قریب چھنٹے چھنچتے وہ دونوں اپر ٹرک نہتوں میں فکس کر لئے گئے اور حمید کی شکل حیرت انگیز طور پر تبدیل ہو گئی۔

پھر وہ سے پول کے ڈائینگ ہال میں داخل ہوا۔

”مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔“ لڑکی پھر بولی۔
 لٹکڑا کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں بھی گلی تھیں۔
 لڑکی اب اس ویژے سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہی تھی جو ان کی میرزا کے قریب ہاتھ
 پاندھے بھکا کھڑا تھا۔
 لٹکڑے نے روپالی کاں کر دیے انداز میں آنکھیں خلک کیں جیسے یونہی بے وجہ اُن
 میں نبھیں آگئی ہو۔
 ویٹر رخصت ہو گیا اور حمید کو اپنی میز اٹھنڈ کرنے والوں کی طرف توجہ دینی پڑی۔ رات کا
 کھانا ابھی نہیں کھایا تھا لیکن کھانے کے لئے آرڈر بلیں کرنا مناسب نہ سمجھا۔ پسند نہیں وہ دونوں
 کب اٹھ جاتے اور زوہ کھانا چھوڑ کر ان کے سچھنے دوڑ سکتا۔ لہذا کافی اور سینڈوچ ہی پر تقاضت
 کرنی پڑی۔ یہ چیز دوسرا میز والوں کے آرڈر کی قابل ہونے سے پہلے ہی آگئی۔ ان دونوں
 کے لئے غالباً کھانا آرہا تھا۔
 حمید نے اپنے دیٹر کے توسط سے ایک پیکٹ سگریٹ بھی منگوالیا تھا۔ کیونکہ اس میں اپ
 میں وہ احتیاط پاپنے نہیں استعمال کرنا چاہتا تھا۔
 ”تم خاموش کیوں ہو گئے؟“ بُڑی لٹکڑے نے بے کہہ رہی تھی۔ ”میں کیا بتاؤں جب بھی
 تمہارا سامنا ہوتا ہے میں اپنے اعصاب کو قابو میں نہیں رکھ سکتی۔“
 ”ٹھیک ہے..... میں کچھ نہ کہوں گا۔“ لٹکڑا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
 ”لیکن تمہیں اداں بھی تو نہیں دیکھ سکتی۔ اچھا نہ ہو۔!“
 لٹکڑے کے ہونتوں پر بے جان سی مسکراہٹ نظر آئی۔
 ”یوں نہیں۔“ لڑکی بولی۔ ”مجھے زندگی سے بھر پور مسکراہٹ چاہئے۔“
 ”زندگی!... وہ خندی سانس لے کر رہا گی۔“
 ”میں کہتی ہوں اب جلدی سے موٹھیک کرو۔ ورنہ میں اٹھ کر چلی جاؤں گی؛“
 ”میرا اسٹر چکر اہا ہے..... ذرا سماں ہو۔!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”بالکل یہی ہے مجھے بتاؤ۔..... آختمہیں ان کا تذکرہ کیوں گوازہ نہیں۔“
 ”میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔“

”اگر وہ نہیں چاہتے کہ میں تم سے طوں بتاؤ کیا۔?“
 ”میری بات سمجھنے کی کوشش کرو روہی۔“

”میں نے تمہیں کیا سمجھا تھا اور تم کیا لٹکل۔“

”میرے خدا میں کیا کروں۔“ لٹکڑا اذنوں ہاتھوں سے سرخاہم کر زہ گیا۔

”سنجیدگی سے سنو۔“ لڑکی ہاتھ اٹھا کر بُڑی۔ ”میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں ورنہ تم میں
 کیا رکھا ہے..... اب تو یہ بیساکھی دن رات میرے ذہن میں کھٹ کھٹ کرتی رہتی ہے۔ صرف
 دو ماہ پہلے ہم ملے تھے اور کیا سے کیا ہو گیا۔“

”روحی..... خدا کے لئے!“ لٹکڑے کی آواز ہمراگئی۔

”جب باتی بننے کی ضرورت نہیں۔“ لڑکی کہتی رہی۔ ”تم خود سوچوں کبھی کوئی عورت تمہیں چاہ
 سکتی ہے۔“

”تم آخڑ کھنا کیا چاہتی ہو۔ خدا را مجھے بتاؤ۔“

”میں کیا کھنا چاہتی ہوں..... تم اچھی طرح جانتے ہو۔“

”لیکن میں تمہارے پاپا کے دربار میں حاضری دیا کروں۔“ اس بار اس کے لمحے میں
 نرمی نہیں تھی۔

”میں چاہتی ہوں کہ تم ان سے طوں۔“

”آخڑ کیوں؟“

”اس لئے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔“ یک بیک لڑکی جذباتی انداز میں بولی۔

حمدید نے باسیں آنکھ دبا کر سرہلا یا۔

لٹکڑے کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے۔ کچھ خجالت تھی اور کچھ ایسے تاثرات تھے

نوری طور پر قربان ہو جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

آواز بھی سن تھی۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا اور وہ سہبے ہوئے انداز میں کبھی لڑکی کی طرف دیکھتا اور کبھی صدر دروازہ کی طرف۔

جھگڑا

صدر دروازے میں ایک اچھے تن تو ش کا بھاری بھر کم آدمی نظر آیا اور یہ آدمی جب کچھ سدر دروازے کی طرف آیا تو حمید نے اسے پہچان بھی لیا۔ یہ وہی تھا جو دھماکے والی رات کو اسی لڑکی کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔

پھر ایسا معلوم ہوا جیسے لڑکی پر اس کی نظر اچاک پڑی ہو۔ وہ ٹھنکا بھی تھا اور پھر تو تیر کی طرح آیا تھا ان دونوں کی میر کی طرف۔

لوکی کھڑی ہو گئی تھی۔ نزوں نظر آرہی تھی اور لگڑا اسر جھکائے ہوئی طرح ہاتھ پر رہا تھا۔

”کیا یہ خصل اتفاق ہے۔“ دفتارہ غرایا۔

”وہ..... وہ..... ذیلی..... یہ تو..... یہ تو..... یہ تو قیر صاحب ہیں۔“ بیگم نصیر کے یہاں مرغ پکایا تھا۔

”تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔“

”کیوں ذیلی..... کیوں؟“

”باؤر جوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا قابل فخر بات ہے؟“ اسکے ذیلی کی آنکھیں کل پڑیں۔

”باؤر پچی..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ذیلی۔ آپ بھول گئے۔“ بیگم نصیر نے تعارف کرایا تھا۔ آپ تو شر کے بڑے رئیسوں میں سے ہیں۔“

”اوہ.....!“ وہ اسے گھوٹا رہا۔

”کتنے امراض لاحق ہیں تمہیں..... سوچتی ہوں تو خود پر غسل آتا ہے۔ یہ کیا کرنیں ہوں۔ آج اگر میرے نصف درجن خواہش مندوں کو معلوم ہو جانے کے لئے ایک لگڑا سے محبت کی ہے تو وہ میرا مختلط لاڑاکا کر مجھے خوشی پر جبور کر دیں۔“

”مجھے لرام نہ دو۔“ لگڑا نے کھسپا کر کہا۔ ”تم خود ہی آئی تھیں میری طرف۔۔۔ میں تو جو گات بھی نہ کر سکتا۔“

”میرا زہن بھی عجیب ہے۔“ لڑکی پس کر بولی۔ ”پہلے میں تمہاری اس صلاحیت کی بہت بڑی تدریاں تھیں کہ تم مرغ اچھا پا کر سکتے ہو۔۔۔ پھر یہ تصور بیدا ہوا کہ تم دنیا میں واحد شخص ہو جے مرغ اچھا پا کرنے کا سلیقہ ہے۔ پھر میں تم سے محبت کرنے لگی۔“

”ہاں..... ہاں..... میرا دعویٰ ہے۔“ لگڑا اکڑ کر بولا۔ ”ساری دنیا میں مجھ سے بہتر مرد اور کوئی نہیں پا سکتا۔“

”غائبًا..... بیگم نصیر کے یہاں مرغ پکایا تھا تم نے۔“

”ہاں..... مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے۔“ لگڑا اٹویل سانس لے کر بولا۔

”جب ہم پہلی بار ملے تھے تم اور تمہارے ذیلی بیگم نصیر کے یہاں مدعا تھے اور بیگم نصیر نے مجھ سے اپنے دعا کی تھی کہ مرغ میں اپنی بگرانی میں تیار کراؤ۔ مرغ تھیں نبڑے ہذا چھالا ٹھا۔ تم نے کھانے کی میز پر اس کی تعریف کی تھی اور بیگم نصیر نے ہمارا تعارف کر دیا تھا۔“

”کیا خیال ہے..... کیا تھا وہ دن.....؟“ لڑکی نے چک کر پوچھا۔

”میرے لئے خوش نصیری کا پیا بر تھا وہ دن۔ میں وہ لمحات بھی نہ بھلا سکوں گا جب تم میرے پکائے ہوئے مرغ کی تعریف کر رہی تھیں۔“

”لیکن تم مجھے ترکیب نہیں بتاؤ گے۔“

”محض ترکیب سے کچھ نہیں ہوتا۔“

”دھنیا لڑکی اچھل کر بولی۔“ اربے ذیلی۔

”لگڑا بھی یوکھلا گیا تھا اور حمید نے اس کی بیساکھی گرنے کی لگ۔۔۔ کہا۔۔۔ کہا۔۔۔؟“ لگڑا بھی یوکھلا گیا تھا اور حمید نے اس کی بیساکھی گرنے کی

”اب تو میں اسے اپنی بندیبی ہی سمجھوں گا کہ تمہارے ڈیڑی سے پہلے کیوں نہ ملا۔“

”کیوں.....؟“

”یہ تو بہت اچھے آدمی ہیں۔“

”تم نے پہلے بُرا کیوں سمجھا تھا۔“

”بیگم نصیر کے یہاں تعارف ہونے کے بعد سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ اس سے قبل کبھی اس طرح ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور بیگم نصیر کے یہاں تو میں نے ان کے بارے میں بہت بڑی رائے قائم کی تھی۔ اچھا تم ہی بتاؤ کتنا خشک لبھے معلوم ہوتا ہے ان کا۔ چھرے پر کتنی سختی ہے۔ بیگم نصیر کے یہاں ہماری ملاقات صرف مصافحہ ہی تک محدود رہی تھی۔ بہر حال ایسے حالات میں ان سے دوبارہ ملنے کا حوصلہ کیونکر ہوتا۔“

”خیر..... خیر..... چھوڑو..... اب تو تم نے دیکھ لیا۔“

”دیکھ لیا..... اور اب مطمئن ہوں۔“

”اب آیا کرو گے ہمارے گھر.....!“

”ضرور..... ضرور..... کہو تو وہیں ڈیرا ذوال دوں۔“

”تو قیر.....!“ لڑکی نے ٹھنڈی سانس لے کر مغموم لبھے میں کہا۔ ”لیکن دوسروں کے سامنے یہ کبھی نہ ظاہر ہونے دینا کہ ہمارے درمیان دوستی سے زیادہ کوئی اور چیز موجود ہے۔“

”کیوں.....؟“

”تمہارا لنگڑا اپنے مجھے معکلے خیز بنا دے گا۔ وہ لوگ یہ رہنمی اڑائیں گے۔ جو میرا دل نہیں جیت سکے۔“

حمد نے لنگڑے کے چھرے پر گھر اٹھکالا دیکھا۔

حمد سگریٹ پر سگریٹ پیتا رہا۔

کچھا دیر بعد لڑکی نے لنگڑے کو خاطب کیا۔

”تم کچھا داں سے نظر آ رہے ہو..... کیا میری کسی بات سے تکلیف پہنچی ہے۔“

”آپ ہمارے ساتھ بیٹھے سکتے ہیں۔“ لڑکی نے کچھا دیر بعد کہا۔

”اوہ..... اچھا..... اچھا.....!“ اس نے کہا اور بیٹھ گیا۔ اب ایسا معلوم ہوتا تھا مجھے وہ اپنے روئے پر شرم نہ ہو۔

لئگڑا اب بھی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ لڑکی کے ڈیڑی نے کچھا دیر بعد کھکار کر کہا۔

”مسٹر تو قیر..... مجھے افسوس ہے۔ حافظ کمزور ہے میرا۔ اب یاد آ رہا ہے کہ کہیں پہلے بھی آپ سے ملاقات ہو چکی ہے۔“

”سک..... کوئی بات نہیں ہے جناب.....!“ تو قیر نے آہست سے کہا۔

”نہیں۔ آپ مجھے معاف کرو سمجھ۔“

”میں نے معاف کر دیا تا جناب۔“ تو قیر زبردستی پڑا۔

اب وہ لڑکی سے بولا۔ ”جہاں مجھے جانا تھا کسی وجہ سے نہیں جاسکا۔ گھر واپس آیا تو معلوم ہوا کہ تم یہاں طوگی۔“

”ہاں ڈیڑی..... میں یہاں اکثر پیش تھی ہوں۔ آج تو قیر صاحب نے مجھے بلا لیا۔ میں تو اب ان سے مرغ پکانے کی وہ ترکیب معلوم کر کے عقیل رہوں گی۔“

”ضرور..... ضرور.....!“ وہ اخلاق اپنے کر بولا۔

”یقیناً بتائی جا سکتی ہے ترکیب۔ لیکن آپ اتنی مشقت برداشت نہ کر سکیں گی۔“ تو قیر بولا۔

”چھا بھی۔“ آنے والا امتحا ہوا بولا۔ ”میں تمہیں مطلع کرنا چاہتا تھا کہ میں شہر ہی میں ہوں لیکن رات گھر پر نہ گزار سکوں گا۔“

”جب آپ جانی نہیں سکتے پھر رات گھر سے باہر کیوں گزاریں گے۔“

”ایک ضروری کام ہے۔ اچھا مسٹر تو قیر اب اجازت دیجئے۔ پھر ملاقات ہو گی۔“

وہ لنگڑے سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔

کچھا دیر تک وہ دونوں ہی خاموش رہے پھر لڑکی بولی۔ ”آختم ڈیڑی سے کیوں نہیں ملتا جاہے تھے۔“

”رحم ہی کرو مجھ پر اور خاموش ہو جاؤ۔“

اس دوران میں انہوں نے کھانا کھایا۔ کھانا ختم کر کے کافی طلب کی تھی۔ ساتھ ہی حمید نے بھی دوبار کافی کے لئے کھا تھا۔

کچھ دیر بعد لڑکی نے تو قیر سے کہا۔ ”چلتے ہو میرے گھر۔“
”مگر..... گھر..... یعنی کہ.....!“

”ہاں..... ہاں..... تم پریشان کیوں ہو گئے۔ ڈیڑی تو رات بھر ہوں گے ہی نہیں۔“
”میرا خیال ہے کہ ان کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ پہلے بھی تم نے کھا تھا کہ وہ شہر کے باہر گئے ہیں لیکن.....!“

”غیر..... خیر..... گھر تو دیکھو گے تم میرا۔“

”یقیناً..... ابھی چلیں گے..... لیکن گھر کے اندر اسی وقت داخل ہوں گا جب تمہارے ڈیڑی بھی موجود ہوں۔“

”چلو یونہی سکی..... تو اب ہمیں اٹھنا چاہئے۔“

”اتنی جلدی.....!“ لٹکرے کے لمحے میں مایوسی تھی۔

”جیسی تمہاری مرضی۔“

وہ دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ حمید اپنا سر سہلا رہا تھا۔ لڑکی اُسے پند آتی تھی۔ لیکن یہ کیا چکر قا۔ اتنی دیر میں وہ بھول ہی گیا تھا کہ اس سے پہلے لڑکی کو کس روپ میں دیکھ چکا ہے۔ لڑکی بڑی دلکش تھی اور شوخی سے بھرے ہوئے انداز تکلم نے تو حمید کے ذہن پر خاص اثر پھوڑا تھا۔ اس نے سوچا ”میں تمہاری ہمدردیاں حاصل کئے بغیر نہ رہوں گا..... تھیں کچھ دن اس دل بے خانماں پر بھی رحم کھانا پڑے گا۔“

کچھ دیر بعد اس نے پھر لڑکی کی آواز سنی..... وہ لٹکرے سے کہہ رہی تھی۔

”تو قیر..... کیوں نہ ہم دور چلے جائیں..... اس دنیا سے دور..... جہاں ہمارا منہلکہ اڑانے والے نہ ہوں۔“

”روحی.....! اکثر میں سوچتا ہوں کہیں تم خود ہی تو میرا منہلکہ نہیں اڑا رہیں۔“

”ایسا سچنے کی وجہ؟“

”احساس کتری میں بتلا ہوں۔ لٹکرے پن کی وجہ سے۔“

”اگر تم لٹکرے نہ ہوتے تو میں تم سے محبت بھی نہ کرتی۔ اگر تم میرے بعض طلب گاروں کو دیکھو تو تمہاری آنکھیں کھلی رہ جائیں۔“

”پھر تم نے انہیں کیوں مایوس کیا.....؟“

”میں صرف اسی سے محبت کر سکتی ہوں جو کسی نہ کسی طرح میرا محتاج بھی ہو۔ تاکہ میں اس پر رحم کر سکوں۔“

”تو تم رحم کر رہی ہو مجھ پر۔“

”یقیناً.....!“

”بڑی عجیب ہو تم۔ میں تمہیں ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔“

”اس سے پہلے میں نے ایک ستر سالہ بوڑھے سے محبت کی تھی۔“

”کیوں جلا رعنی ہو مجھے۔ وہ کھیانی بھی کے ساتھ بولا۔“

”یقین کرو..... لیکن اب وہ بالکل ہی اپاچ ہو گیا ہے۔ اس لئے اسے چھوڑنا پڑا۔“

”کیا مطلب....؟“

”مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ اسے گدوں اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا سکوں۔“

”خدا کے لئے کبھی تو سنبھالہ ہوا کرو۔“

”جس کی قسم کو کھا جاؤ..... میں نے اسے اس لئے بھی چھوڑ دیا ہے کہ اب اس کی بیٹائی جواب دے گئی ہے اور وہ بہت زیادہ اونچا سنتے لگا ہے۔ اب نہ وہ مجھے دیکھ سکتا ہے اور نہ میری گنگا ہست سن کر مل کھا سکتا ہے۔“

”بلیں اب ختم کرو یہ باتیں۔ میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔“

”میں تمہیں اتنا دکھی دیکھنا چاہتی ہوں کہ میرا رحم بلبلا ابھے۔“

”اب تو تمہیں چلتا ہی پڑے گا میرے ساتھ۔“ لڑکی بولی۔

”کہاں؟“

”مرے گھر۔“

”میں کہتا ہوں کہیں تمہارے ڈیٹی۔“

”پلیز..... شٹ اپ..... چلو اٹھو۔“

”مم..... مطلب یہ کہ..... بل تو ادا کر دیں۔“

”تم ادا کرو گے؟“

”کیوں نہیں؟“

”آج پھر بھگڑا کرو گے۔ کل کیا کہا تھا میں نے۔“

”مجھے یہ کچھ اچھا نہیں لگتا کہ تم میں میں ادا کرو۔“

”خاموش رہو۔“ لڑکی نے جلائے ہوئے انداز میں کہا۔ ”پہلے میں نے تمہیں چاہا ہے تم نے نہیں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ کتنا مردانہ وار چاہا ہے۔ لہذا تمہارا روں ایک عورت کا سا ہوتا چاہئے۔“

”پاگل بنا دو گی تم مجھے۔“ لٹکڑا اپنی پیشانی مسلتا ہوا بولا۔

لڑکی نے اشارے سے ویٹر کو بلا کر میں انگا تھا اور پھر خود ہی اس کی قیمت بھی ادا کی تھی۔

لٹکڑا منہ ستر دیکھتا رہا گیا تھا۔

”اور تم میری گاڑی میں چلو گے..... اپنی گاڑی واپس بھجوادو۔“ لڑکی نے کہا۔

”پھر میری واپسی کیسے ہو گی؟“

”میں تمہیں چھوڑ آؤں گی۔ تم اس کی پرواہ نہ کرو۔“

لٹکڑا شاہد سوچ میں پڑ گیا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔

”کیا سوچنے لگ۔“ روچی ٹھنک کر بولی۔

”مم..... کچھ نہیں۔“

Scanned by 150balmt

”ایک ناگ سے۔“ تو قیر نے بھس کر پوچھا۔ لیکن حمید کو اس کی یہ بھی درد میں ڈوبنا ہوئی کراہی لگی تھی۔

”تو قیر..... کبھی کبھی میں سوچتی ہوں۔“

”کیا سوچتی ہو۔“

”اگر بیلی کا سر چیل کے سر سے مشابہ ہوتا تو میں کیسی لگتی؟“

تو قیر کے چہرے پر کھسیاہٹ اور جھٹے پن کا عجیب سامنہ راج نظر آیا۔

رمانی موڈ میں تھا لیکن لڑکی کے اس بے شکے جملے نے شائد اس کی اس ذہنی کیفیت کو درہم برہم کر دیا تھا۔

تحوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد لڑکی پھر بولی۔

”اب تو یہ زندگی ہی تحکم معلوم ہونے لگی ہے۔“

”میں اب کچھ نہیں بولوں گا..... ورنہ تم پھر میرا معنکھے اڑاؤ گی۔“

”معنکھے.....!“ لڑکی حیرت سے بولی۔ ”نہیں تو..... میں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی۔“

”تم نے یہکی میں اور چیل والی بات کیوں کی تھی۔“

”اے بس وہ تو میرا زہن ہی ایسا ہے۔ اب اسی وقت میں تمہارے لئے رحم کے جذبے سے بھر پور بھی ہوں اور یہ بھی سوچ رہی ہوں کہ اگر تمہاری ٹانکیں سرے سے ہوتی ہیں نہیں تو تم خاصی دلچسپ چیز ہوتے۔“

”ذیکھو! مجھے تم سے محبت ہیں کہیں لیکن میں اتنی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔“

”اے رہا مان گئے..... نہیں نہیں نہیں..... مائی سویٹس میں تو یونہی چھیڑ رہی تھی تمہیں۔

ہائے غصے میں بڑے پیارے لگتے ہو۔“

حید نے محسوں کیا جیسے تو قیر نے بچوں کی طرح منہ پھلالیا ہو۔

”ہے ہے۔“ لڑکی پھر بولی۔ ”تمہاری آنکھیں بالکل بچوں کی سی ہیں۔ کتنی مخصوصیت ہے۔“

حید نے محسوں کیا کہ لٹکڑا شرما رہا ہے۔

ن کا فاصلہ رہ گیا۔

سرک سنان تھی اس لئے تعاقب میں کوئی دشواری پیش آنے کا امکان نہیں تھا۔ شہر کے بڑے دولت مندوں میں کسی لنگرے تو قیر کی دریافت حمید کے لئے نی تھی۔ اگر وہ اپنی دولت مند تھا تو اپاچ ہونے کے باوجود اس کی آنکھوں میں اتنی پیاس نہ ہونی چاہئے تھی۔ حمید کو ایسا محبوں ہوا تھا جیسے پہلے پہل کوئی عورت اس سے اتنی قریب آئی ہو۔ اس نے اس کی آنکھوں میں پیاس بھی دیکھی تھی اور ایسی مصصوماتہ چمک بھی جو کسی پچھے ہی کی آنکھوں میں اس وقت نظر آسکتی ہے جب کوئی مرغوب ترین چیز متوجہ طور پر ہاتھ آگئی ہو۔ وہ تو قیر کے بارے میں سوچتا رہا۔ پہنچیں کیوں لڑکی کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں تھی۔ تعاقب جاری رہا۔ لیکن اگلی گاڑی کا رخاب شہر کے کسی ایسے حصے کی طرف ہرگز نہیں تھا جہاں تو قیر کی قیام گاہ کی موجودگی کا امکان ہوتا۔ اس سرک کا اختتام ساحل پر ہوتا تھا۔ بلا خراگلی کار ساحلی علاقے کے ایک ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ حمید نے اپنی گاڑی کی رفتار کم کر دی تھی۔ پھر وہ گاڑی روکنے کی وجہ سے پایا تھا کہ ایک شدید ذہنی جسمکے سے دوچار ہوتا پڑا۔ کار سے تو قیر یا روحی کے بجائے اس کا ذہنی ارترا تھا۔

حمدی نے بریک لگائے اور انہیں بند کر دیا۔ اس کی گاڑی اگلی کار سے دس بارہ گز پیچھے رکی تھی۔ روحی کا ذہنی اس کی طرف توجہ دیئے بغیر ہوٹل میں چلا گیا۔

حمدی سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ روحی تو قیر کو یہ کہہ کر اپنے گھر لے گئی تھی کہ وہاں اس وقت سنانا ہوگا اور اس کا ذہنی بھی اسے ہی اطلاع دینے سے پول آیا تھا کہ وہ رات گھر سے باہر گزارے گا۔ لیکن حالات اس کے برعکس تھے۔ وہ ان دونوں کے وہاں پہنچنے تک گھر ہی پر موجود رہا تھا اور پھر جب وہ دونوں عمارت میں داخل ہو گئے تھے تو گاڑی لے کر ادھر چلا آیا تھا۔ تو کیا تو قیر وہاں پھر بے گا۔ روحی نے اس کی کار بھی واپس پہنچوادی تھی۔

”ہونہہ تو قیر.....!“ حمید نے اسامنہ بناؤ کر بڑی بڑی ”جہنم میں جائے۔“

”تو چلو ہوئا.....!“

”چلو.....!“ لنگرے نے طویل سانس لے کر زینا کھی سنبھالی۔ حمید بھی اس دوران میں مل کی اداگی کری چکا تھا۔ اس لئے تعاقب کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ لڑکی نے لنگرے کو سہارا دے کر اپنی ہی گاڑی میں اگلی سیٹ پر بٹھایا اور خود اسٹریٹر گل کے سامنے پیٹھے گئی تھی۔

حمدی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کس قسم کا چکر ہو سکتا ہے۔ لڑکی آ لکھو والے دھماکے میں ملوٹ تھی۔ لہذا وہ محض تفریح کی خاطر اس طرح کھا۔ روں شہر میں نہ پھر سکتی۔ اگلی کار شہر کی مختلف سرکوں سے گذرتی ہوئی بلا خرموڈ کا لوٹی والی سرک سے آگئی۔ موڈل کا لوٹی پہنچ کر لڑکی نے ایک عمارت کے سامنے گاڑی روکی تھی اور حمید اپنی گاڑی آگے نکالتا چلا گیا۔ ویسے اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ واپسی میں وہ اس عمارت کو پیچان لے گا جہاں کار روکی گئی تھی۔

ہوا بھی یہی۔ کچھ دور آگے جا کر اس نے پورا لیا اور پھر ٹھیک اسی عمارت کے سامنے آ پہنچا۔ وہ کار اب بھی عمارت کے کپڑا ٹڑ کے باہر موجود تھی۔ لیکن اس کا رخاب شہر کی طرف تھا۔ حمید اندازہ نہ کر سکا کہ کار خالی ہے یا کوئی اندر موجود ہے۔

وہ پھر اپنی گاڑی آگے نکالتا چلا گیا۔ عمارت معلوم ہو چکی تھی جہاں اب ان لوگوں کا قیام تھا۔ نگرانی کے لئے نقطہ آغاز کا تین ہو چکا تھا۔ اس لئے اب وہاں پھر کر کرنا۔ اپنی دھن میں شہر کی جانب روای دوال تھا کہ برابر سے وہی کار جس کا تعاقب کرتا ہوا آیا تھا آگے ٹکلی چلی گئی۔

اس نے سوچا ممکن ہے روحی لنگرے تو قیر کو اپنی قیام گاہ دکھا دینے کے بعد اس کے گھر چھوڑنے جا رہی ہو لہذا ان تو قیر صاحب کا جغرافی بھی کیوں نہ معلوم کر لیا جائے۔

اس نے اپنی گاڑی کی رفتار تیز کر دی اور پھر دونوں گاڑیوں کے درمیان صرف پچاس

پورے ہال پر سناٹا طاری تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس زور آزمائی کا انجام دہاں کی
نضاکے لئے کوئی اہم ترین فیصلہ ثابت ہوگا۔ ویر جہاں تھے وہیں رک گئے تھے۔ لوگوں نے
اپنی مصروفیات ترک کر کے اس زور آزمائی کی طرف متوجہ ہو جانا جیسے بے حد ضروری سمجھا ہو۔
انھی میں بڑے ہال میں دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی لکھ ہر گوشے سے سنی
جاسکتی تھی۔

کاؤنٹر ٹکر کے چہرے پر کچھ ایسی بدواہی نظر آرہی تھی جیسے وہ اچانک کسی طوفان میں
گھر گیا ہو۔ فتحاً حمید نے دیکھا کہ قدم آور جہاز راں اپنی نشست سے اکھڑ رہا ہے۔ پھر دیکھتے
ہی دیکھتے وہ میز پر اونڈھا لیٹا نظر آیا۔ روہی کے ڈیڈی نے اپنی جگہ سے جنش بھی نہ کی تھی۔
”بریووو....!“ ہر طرف سے فرے بلند ہوئے۔

قدم آور جہاز راں کا گریبان اب بھی اس کی گرفت میں تھا اور وہ خود میز پر اونڈھا پڑا تھا۔
پھر دیکھتا اس طرح پڑے پڑے اس نے میز الٹ دی لیکن اس مرحلے پر بھی روہی کا ڈیڈی بے
حد پھر تیلا ثابت ہوا۔

جہاز راں کی اس حرکت کا مقصد بھی تھا کہ وہ میز کے نیچے دب کر رہ جائے لیکن وہ اس
سے کئی گز دور کھڑا اُسے تحریر آئیز نظر وہیں سے دیکھ رہا تھا۔
جہاز راں نے اٹھی ہوئی میز پر سے اٹھنے کی کوشش کی..... لیکن چلی بار کامیاب نہ ہو سکا۔
اسنے بڑے ڈیل ڈول کو سکھا کرنا بھی تو آسان نہیں تھا۔

اب ہال میں خاصا شور ہو رہا تھا۔ لوگ اپنی آوازوں میں گفتگو کر رہے تھے۔ ہنس رہے
تھے اور آوازے کس رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دوسرے جہازیوں کو اس جہازی سے
ذرہ برابر بھی ہدروی نہ رہی ہو۔ بلکہ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس کی تکلیف پر مسرور ہوں۔

اچانک وہ اٹھا اور روہی کے ڈیڈی پر ٹوٹ پڑا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے دو جنگل
میں ایک دوسرے کو ٹکریں مار رہے ہوں۔

کاؤنٹر ٹکر بدواہی میں کاؤنٹر پر چڑھ کر شور چاہا تھا۔ کبھی ”پولیس پولیس“ کا غفرہ لگاتا

Scanned by id54
اُسے تو ان دونوں سے غرض تھی۔ تو قیر کوئی درمیانی کردار نہ تھا۔ قلبی غیر متعلق جس سے
حکمہ سراغ رسانی کو کوئی لچکی نہیں ہو سکتی تھی۔
وہ گاڑی سے اُتر کر خود بھی ہوٹل میں چلا آیا۔ متوسط درجے کے اس ہوٹل میں زیادہ تر
جہاز راں ہی نظر آتے تھے۔

روہی کا ڈیڈی کاؤنٹر پر کہیاں نہ لائے جھکائے کھڑا کاؤنٹر ٹکر سے کچھ کہر رہا تھا۔
حمید نے سوچا کہ اُسے اس وقت تک انتظار کرنا چاہئے جب تک کہ وہ کہیں بیٹھنے
جائے۔ کئی میزیں خالی تھیں اور وہ اس پر قریب سے نظر رکھنا چاہتا تھا۔
وہ سوچ ہی رہا تھا کہ خواہ مخواہ کھڑے رہنے کے لئے کیا جواز پیدا کرے کہ اُس نے
اُسکی طرف بڑھتے دیکھا۔ لیکن وہ خالی نہیں تھی۔ اس پر پہلے ہی سے تین جہاز راں
 موجود تھے۔ انہوں نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا تھا اور جو تھی کری اُسے پیش کی تھی۔
حمد اس کے قریب ہی کی ایک خالی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ان کے درمیان تاش
کی کھیل کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی اور روہی کا ڈیڈی بھی اس گفتگو میں شامل ہو گیا تھا۔
حمد کو کاؤنٹر پر جا کر اپنا آڑو چلیں کرنا پڑا۔ یہاں کا بھی دستور تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہی طلب کی ہوئی چیزیں اس کی میز پر لگا گیا۔
ان کی گفتگو آہستہ آہستہ پر جوش انداز اختیار کرتی جا رہی تھی۔ ایک جو تنوں تو ش میں ان
دونوں سے زیادہ تھا روہی کے ڈیڈی سے الجھ پڑا تھا۔ وہ دونوں کو شکر کر رہے تھے کہ بات نہ
بڑھنے پائے لیکن قدم آور جہاز راں بار بار روہی کے ڈیڈی کو لکا رہا تھا۔
حمد نے روہی کے ڈیڈی کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔ لیکن اُسے کوئی معنی نہ
پہنچا سکا۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے قدم آور جہاز راں کا گریبان اس کی گرفت میں تھا۔ دوسرے جہاز
راں کرسیوں سے اٹھ گئے۔ قدم آور جہاز راں کا باتھ بھی اب روہی کے ڈیڈی کے کوٹ کے کالر پر
نظر آیا۔ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کے گریانوں پر زور صرف کرتے رہے۔

”جی ہاں..... زندگی میں پہلی بار اسی غلطی ہوئی ہے۔“

”جلدی میں.....!“

”نج..... جی ہاں۔“

”بھلاکس بات کی جلدی تھی۔“ اُس نے گاڑی کو بائیں جانب کچے راستے پر اتارتے ہوئے کہا اور پھر گاڑی قریب کی سمتی کی ایک گلی میں داخل ہو گئی۔

”جواب دو۔“ وہ غرایا۔

”میں آپ سے گذارش کروں گا کہ مجھ پر خفاف ہوئے..... میری گاڑی۔“

”جہنم میں گئی تمہاری گاڑی..... کیا میں اس کے لئے گرفتاری کا خطرہ مول لوں گا۔ اب تم میرے ساتھ میرے گھر چلو۔“

”اور میری گاڑی۔“

”خاموش رہو..... ورنہ دھکا دے کر نیچے اتار دوں گا اور تم اس وقت یہاں تکسی یا رکشا بھی حاصل نہ کر سکو گے۔“

”اللہ میرے حال پر حرم کر۔“ حمید بے بی سے منسنا یا۔

روی کا ذیئی زہر یا لے انداز میں پس رہا تھا۔

”اب میں تمہیں اپنی جلد بازی کا ایک شاہکار دکھاؤں گا۔“ اُس نے کچھ دیر بعد بڑے کھسپر لمحے میں کہا۔

شاہکار

حمد اپنی گدی سہلانے لگا پھر بولا۔ ”میں جتاب کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”جبتاں کا مطلب جناب ہی ہے۔“

اور کبھی دونوں ہاتھوں بے رانیں پیٹئے گلتا۔

میزیں الٹ رتی تھیں۔ کریاں چڑچڑا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی تھیں۔ میزوں کے الٹے پوٹھے والی کراکری کی چینچنا ہے۔ بھی خضا میں گنجی۔ حید اپنی میز سے باٹھ کر قریبی دیوار سے جالا تھا۔

دفعاً اس نے جہاز راں کو دروازے کی طرف بھاگتے دیکھا۔ روی کا ذیئی اس کے پیچے تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے آج وہ اس قد آور جہاز راں کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ حید نے باہر گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور روی کے ذیئی کے پیچھے ہی پیچھے خود بھی باہر نکل آیا۔ خود باہر نکل آیا اور یہ ذیکر کر پیروں تسلی کی زمین نکل گئی کہ بھکوڑا جہاز راں فرار ہونے کے لئے اسی کی گاڑی استعمال کر بیٹھا ہے۔

آس پاس روی کے ذیئی کی گاڑی کے علاوہ اور کوئی گاڑی بھی نہیں تھی۔ اس نے دیکھا کہ وہ اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر رہا ہے۔ حید نے آؤ دیکھا نہ تا تو پچھلی سیٹ کا دروازہ کھوتا ہوا اندر بیٹھ گیا۔

”کون ہے.....؟“ روی کا ذیئی غرایا۔

”جناب عالی..... آپ کا شکار نیمری گاڑی لے جا گا ہے۔“ حید منسنا یا۔
ناک میں اسپر گگ پہنچے ہونے کی وجہ سے آواز بھی کچھ ناک کے میں ہی نکلتی تھی۔

”تو جناب یہ سمجھتے ہیں کہ میں اس کے پیچھے جاؤں گا۔“ وہ غرایا۔

”پپ..... پھر....!“

گاڑی حرکت میں آ جکی تھی اور غالباً جلد از جلد یہاں سے چلا جانا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے حید کی ”پھر“ کا جواب نہیں دیا تھا۔

فی الحال گاڑی اسی سمت جاری تھی جدھر جہاز راں گیا تھا۔

حید خاموش بیٹھا رہا۔

”تو جناب..... کنجی اگیشن ہی میں چھوڑ آئے تھے۔“ اس نے زہر یا لمحے میں پوچھا۔

بہر حال وہ بحکمت رہے۔

”کیا آپ استراحت فرمائے ہیں جناب۔“ اگلی سیٹ سے روچی کا ذیثی غرایا۔

”نہیں جناب..... دیکھ رہا ہوں کہ کوئی گاڑی پیچھے تو نہیں آری۔..... آپ ہی نے یہ خدمت میرے پردازی ہے۔“

”اچھا..... اچھا..... میں سمجھا تھا شاندروں گئے۔“

”تیندا آئے گی ایسی صورت میں جب کہ میری گاڑی۔“

”گاڑی..... گاڑی..... اپا لاؤ تھی؟“

”نہیں..... آسٹن اڈالیس موڈل۔“

”لاحوال ولاقوہ..... کھڑا کے لئے انتیجے بے چین ہو۔“

”خاندانی چیز ہے جناب۔ بڑی محنت سے میں ٹین کی گئی ہے۔ آپ دیکھتے تو ایسا نہ کہتے۔“

”خیر..... خیر..... مجھے کیا۔ میں تو تمہیں اپنی جلد باڑی کاشاہ کار دکھانا چاہتا ہوں۔“

”وہ کیا چیز ہے جناب..... اشتیاق اتنا نہ بڑھائیے کہ میرا دم گھٹنے لگے۔“

”کیا تمہاری آواز کی منناہٹ پیدائشی ہے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ حمید نے غصیلے لمحے میں کہا۔

”مطلوب صاف ہے۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ عیوب پیدائشی ہے یا کسی مرض کا نتیجہ۔“

”پیدائشی ہے۔“ حمید نے بہت زیادہ غصہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”میں تمہاری شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہاری ناک میں یقیناً خدو دبوں گے۔“

”جہنم میں گئے تم اور تمہاری گاڑی..... مجھے تینی اہم دو۔ میں پیدائش جا جاؤں گا۔“

”میری قوت کا اندازہ تو تمہیں ہوئی گیا ہوگا؟“ نہایت سرد لمحے تباہ نہایا۔

اور حمید کی ریڑھ کی ہڈی میں برقی روی دوڑ گئی۔ لیکن پھر بھی وہ جرزاں کر کر بیٹھا۔

”اچھا تو پھر.....؟“

”کچھ نہیں..... اسے ذہن میں رکھو گے تو آرام سے رہو گے۔“

”میں اب بھی نہیں سمجھا۔“

”کچھ دیر بعد سمجھ جاؤ گے۔ فی الحال ذرا یہ دیکھتے رہو کہ کوئی گاڑی پیچھے تو نہیں آری۔“

”بہت بہتر جناب۔“ حمید نے کہا اور بیک سکرین سے پیچھے دیکھنے لگا۔ گاڑی اونچے نیچے راستے پر ہلکوڑے لیتی آگے بڑھتی رہی۔ حمید کو افسوس ہو رہا تھا۔ اپنی اس غیر دشمندار حرکت پر۔

خواہ مخواہ پیشہ گیا تھا اس کی گاڑی میں۔ ہو سکتا ہے شامت ہی نے آواز دی ہو۔ اس سے پہلے بھی اکثر ایسی حرکتیں جو بے خیال میں سرزد ہوئی ہوں اس کے لئے پریشانیوں کا باعث بن چکی تھیں۔

”اوہ نہ.....!“ اس نے لاپرواپی سے شانوں کو جنبش دی اور سوچا ”دیکھا جائے گا۔ کرٹل ہارڈ اسٹون کی طرح کون احتیاط برستا پھرے۔ مکڑا۔..... اور فتا کر دو یا تباہ ہو جاؤ۔“

لیکن پھر خیال آیا کہیں یہ حماقت کرٹل ہارڈ اسٹون کے لئے دشواریاں نہ پیدا کرے۔

ویسے ابھی تک فریدی نے اعتراف نہیں کیا تھا کہ یہ کیس باضابطہ طور پر اس کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ وہ تو اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوا تھا کہ آصف نے سارا الزام اسی کے سر کھدیا تھا۔

بہر حال اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ لیکن اگر وہ کسی جاں میں پھنس کر فریدی کو ان لوگوں کے بارے میں اطلاع نہ دے سکا تو کیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ آصف والا واقعہ ہو جانے کے بعد سے خود اس نے ان لوگوں کا سارا غم کھو دیا تھا۔ پھر فریدی ان تک کیسے مخفی سکے گا۔

آصف کے واقعہ کے بعد انہوں نے اپنی رہائش گاہ بدل دی تھی۔ موڈل کالونی کی ایک عمارت میں قیام کیا تھا۔

کچھ دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ وہ اوگھے رہا ہے۔ لہذا کتنی بار آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر اندریں میں گھورنا پڑا۔

گاڑی اب تک انہیں گلیوں میں گھٹی پھر رہی تھی۔ شاندروہ شہر پیچنے کے لئے ناموں راستے اختیار کر رہا تھا۔

حمدید کچھ نہ بولا۔ صرف ہن توں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔
روحی کا ذیلی بھی اب خاموش ہو گیا تھا۔

کار بلا خرموڑ کالوئی آپنی..... لیکن اب جس عمارت کے سامنے رکی تھی وہ کوئی اور تھی۔ وہ عمارت تو ہرگز نہیں ہو سکتی تھی جہاں کچھ دیر پہلے روئی اور تو قیرز کے تھے۔
فتحا کار کے اندر روشنی ہو گئی اور روئی کا ذیلی مژکر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔
ایک پل کے لئے حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اُسے پیچانے کی کوشش کر رہا ہو۔
”کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہو۔“ اُس نے کہا۔
”دیکھا ہوگا۔“ حمید نے لاپرواں سے کہا۔ ”میں اکثر اس ہوٹل میں بیٹھتا ہوں۔“
”خیر..... اُڑو نیجے۔“

حمدید گاڑی سے بیٹھے اڑا آیا۔ وہ بھی اگلی نشست کا دروازہ کھول کر باہر آیا تھا۔
”میرے ساتھ آؤ۔“ اُس نے ایک جانب بڑھتے ہوئے کہا۔
پھر وہ دونوں بیٹل ہن چل پڑے۔ کارو بیں رہ گئی جہاں روئی تھی۔
”تم سب کچھ خاموشی لے دیکھو گے۔“ روئی کا ذیلی بولا۔
”کیا جاؤ؟ ٹھنڈے دیکھوں گا۔“
”وہی جو کچھ نظر آئے۔“

”اگر مناظر نے مجھے کتوں کی طرح بھونکنے پر مجبور نہ کر دیا تو خاموشی ہن سے دیکھوں گا۔“
”کیا مطلب....؟“
”بپش مناظر مجھے کھوپڑی سے باہر کر دیتے ہیں۔“
”مثلاً....!“
”مثلاً یہ کہ اگر میں کسی کو بریانی یا رائٹ کھاتے دیکھ لیتا ہوں تو بے اختیار ہی بھی چاہتا ہے کہ اس کے ایک چھت رسید کر کے پلیٹ چھین لوں۔“
”کیوں....؟“

”صاحب وجہ تو آج تک میری سمجھ میں نہ آ سکی۔ کوئی نفیاتی گرہ ہوگی۔ مثال کے طور پر لاشور...!“
”میں لاشور کو نہیں مانتا۔“

”جناب یہ کوئی پیر یا فقیر نہیں ہے..... لاشور ہن کے اس حصے کو کہتے ہیں.....!“
”بس بس....!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”محض نفیات سے چڑھے ہے۔ کیونکہ اب ہر کس وہ اس تھوڑی نفیات پڑھ کر ماہر نفیات ہونے کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔“
حید نے سوچا و یہ بھی اسے زیادہ نہ بولنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کوئی ایسی بات زبان سے نہل جائے جس کی بناء پر اس پر کسی قسم کا شکر کرنے لگے۔ خدا خدا کر کے وہ وقت تو آیا کہ وہ ان ہنگامہ پروروں سے اتنا قریب ہو گیا ہے۔

پھر خاموشی سے چلتے ہوئے وہ اس عمارت تک آپنچھ جسکے سامنے روئی نے کارروائی تھی۔
”ہم بہت آہنگی سے اندر داخل ہوں گے۔“ روئی کا ذیلی چپکے سے بولا۔

”آپ مجھے کہاں لئے جا رہے ہیں؟“
”خاموشی سے میرے حکم کی تعیل کرو۔ میں تمہیں اپنی جلد بازی کا نتیجہ ضرور دکھاؤں گا۔“
”میں نہیں دیکھنا چاہتا۔“
”تمہیں دیکھا پڑے گا۔ کیونکہ یہ بات میری زبان سے نکل گئی تھی۔“

”کوئی زبردستی ہے۔“
”میں اسی کا عادی ہوں کہ جو کچھ میری زبان سے نکلے ضرور پورا ہو۔“
”خداوند اکبیں میں کسی پاکل کے تھے تو تمہیں چڑھا گیا ہوں۔“
”مشت اپ..... جان سے مار دوں گا۔“ روئی کا ذیلی غریا۔
”میچ..... چلے جناب.....!“ حمید خوف سے لرزنے کی ایکٹنگ کرتا ہوا بول۔
چاہک سے گزر کر وہ کپاٹ نہ میں داخل ہوئے۔
”بیجوں کے مل چلو..... ذرا سی بھی آواز نہیں ہوئی چاہئے۔“ روئی کا ذیلی آہستہ سے نوال۔

”آؤنا.....!“ روئی ٹھکنی۔
وہ آگے بڑھا اور روئی بنتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔ کمرے کا چکر کاٹ کر روئی پھر ایک گوشے میں رک گئی۔ دنوں کے درمیان خاصاً فاصلہ تھا۔

”آؤنا.....!“ روئی پھر ٹھکنی۔
تو قیر ہاتپ رہا تھا۔ وہ بھر آگے بڑھا۔ روئی بڑے پھر تیلے پن کا مظاہرہ کرتی تھی۔

اکثر بالکل اس کے قریب سے نکل جاتی اور وہ ہاتھ پھیلائے رہ جاتا۔
ایک بار ایسے ہی موقع پر اس نے بیساکھی کو ٹھوکر ماری اور بیساکھی تو قیر کی بغل سے نکل کر کچھ دور تک فرش پر پھسلتی چلی گئی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اس بار حمید نے اس کے چہرے پر شدید ترین جھنجلاہست کے آثار دیکھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہا جیسے اس کی مخفی انگلیاں فرش کا پلاسٹر اکھاڑ دیں گی۔ روئی دور کھڑی اٹھلا اٹھلا کر فنس رعنی تھی۔

”روئی.....!“ وہ بھر آگئی ہوئی آواز میں بولا۔

”آؤنا.....!“ اس بار روئی کے لجھے میں سمجھی گئی۔
وہ چند لمحے روئی کو گھوٹا رہا پھر کسی بے بن کتے کی طرح اس کی طرف گھستنے لگا۔
جیسے ہی قریب پہنچا وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ نہ صرف پیچھے ہٹی بلکہ بیساکھی بھی اٹھاتی لیتی چلی گئی۔

”روئی.....!“ وہ علق پھاڑ کر چینا۔ لیکن روئی کا قہقہہ اس کی جنح پر بھی بھاری پڑا تھا۔ وہ فرش پر کھدیاں نکالے ہانپتا رہا۔
کچھ دیر بعد روئی پھر اس کے قریب آئی اور سرہانے پیٹھ کر اس کا سر سہلانے لگی۔ وہ فرش پر سرڈا لے پڑا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے سراخایا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔
”ازے..... تم رو رہے ہو۔ میری طرف دیکھو..... ہائے..... یہ آنسو..... تو قیر.....
نہیں..... ان آنسوؤں کو اسی طرح پکلوں میں تھرھرانے“ وہ۔

”روئی.....!“ وہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

حمد بے چوں و چراوی کرتا رہا جو کہا جا رہا تھا۔ وہ بیرونی برآمدے میں داخل ہوئے روئی کے ڈیڑی نے ہینڈل گھما کر ایک دروازہ ٹکھوا۔ اندر گھری تاریکی تھی۔
”میرے شانے پر پا تھر نکھے چلے چلو۔“ روئی کے ڈیڑی نے سرگوشی کی۔ حمید نے کان دبا کر اس کے کہنے پر عمل کیا۔

روئی کا ڈیڑی بے آواز چل رہا تھا اور اس کے باہمیں شانے پر حمید کا داہنا تھا۔

”میں سگر بیٹ سلاکالوں۔ بہت دیر سے نہیں پیا۔“ حمید نے آہتہ سے پوچھا۔

”ایسی حماقتوں کی طرف سے آنکھیں بند کرلو۔“

”بند ہی جھو! اندر ہیرے میں کیا بھائی دیتا ہے۔“

”دھرہو دھکھو! اب یہاں سے ہم زینوں پر جی چھیں گے جھاتا رہنا۔“

”یار کس عذاب میں پھنس گیا ہوں۔“ حمید نے جھنجلاہست کا مظاہرہ کیا۔

”بس ذرا عیسیٰ دیر میں تم کافی سکون محسوس کرو گے۔“

زینے طے کر کے وہ ایک بالکنی میں پہنچے۔

شاند اس طرف ایک ہی لاکین میں کئی کمرے تھے۔ ایک کمرے کی کھڑکی کے شیشے روشن نظر آئے۔

روئی کے ڈیڑی نے حمید کا ہاتھ دبایا۔ جس کا مطلب شاند یہی تھا کہ اب اور زیادہ احتیاط سے کام لیا جائے۔

پھر وہ اسے وہیں روک کر آگے بڑھا اور روشن نظر آنے والی کھڑکی سے کمرے کے اندر جھانکنے لگا۔

کچھ دیر بعد اس کے اشارے ہی پر حمید کھڑکی کے قریب گیا تھا۔ کمرے کے اندر کا منظر..... خدا کی پناہ۔

روئی کم سے کم کپڑوں میں تھی..... اس سے تھوڑے فالصے پر تو قیر بیساکھی کے سہارے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں عجیب سی ہو رہی تھیں۔ چہرہ سرخ تھا۔

”نہیں..... میں اپنے ارادے میں اٹل ہوں۔ بیساکھی استعمال کے بغیر مجھے پکڑ لوتو....!

”روجی.....!“ وہ حلچاڑ کر چینا اور روچی پھر اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ حمید اس طرح محظیہ کہ گرد پیش کی خبر نہ رہی۔ خود اس کی سانس بھی پھولے لگی تھی۔

دفتار روچی کے ڈیٹی نے اس کے شانے پر چھکی دی اور وہ اچھل پڑا۔

”آؤ چلیں.....!“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتا ہوا آجستہ سے بولا۔ ”وہ اسے اسی طرح تھا تھا کا کر بے حال کر دے گی۔“

حمد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے اس موقع پر یا اس محلے پر کس طرح انہمار خیال کرنا چاہئے۔ وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا عمارت کے ایک دورافتادہ گوشے میں آیا۔ روچی کے ڈیٹی نے سورج دبا کر وہاں روشنی کروی۔ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کی فضا کی تہہ خانے کی کھمنی کھنی فضاء سے مشابہ تھی۔

”یہ تھامیری جلد بازی کا شاہکار.....!“ اس نے کھمیر لبھ میں کہا۔

”میری تو عقل ہی خطب ہوئی جاری ہے جناب عالی..... یہ کیا اسرار ہے۔“ حمید نے اپنے ہونٹ پر زبان پھیر کر کہا۔

”بیٹھ جاؤ.....!“ روچی کے ڈیٹی نے ایک کری کی طرف اشارہ کیا۔

حمد نے بیٹھتے ہوئے طویل سانس لی اور جیب میں سگریٹ کا پیکٹ تلاش کرنے لگا۔

”وہ میری لڑکی ہے..... اور میں نے کچھ ایسی جلدی میں اس کی تربیت کی ہے کہ اب وہ میرے لئے ہی مصیبت بن گئی ہے۔“

”جناب اب تو آپ کی باتیں بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”بھلا جلدی میں تربیت کیوں نکر ہوتی ہے۔“

”بس کیا باتاو۔ ایسے سمجھ لو میرا رو یہ اس کے ساتھ ہمیشہ سے یہ رہا ہے جیسے میری ٹرین چھوٹنے والی ہے..... ادھر آیا اور ہرگیا..... میں اس کی طرف خاص توجہ نہیں دے سکا۔“

”اتی ذرا سی بات بتانے کے لئے آپ مجھے یہاں لائے ہیں۔“

”تم اسے اتنی ذرا سی بات کہہ رہے ہو۔“

”پھر کیا کہوں.....؟“

”ارے وہ اس طرح کے کو ملکر کی خلکار ہو گئی ہے۔ اسے صرف لگڑے پسند آتے ہیں۔ صرف لگڑوں سے اس کی دوستی ہے۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ کسی لگڑے ہی سے شادی کرنے پر نہ اڑ جائے۔“

”وہ لگڑا کون تھا۔“

”اس کا دوست۔“

”آپ کس طرح برداشت کرتے ہیں یہ سب کچھ..... ایسا باپ بھی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔“

”جوانی میں میں بھی بہت آوارہ تھا۔ اب کس منہ سے اُسے روکوں۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“

”عجیب و جیب کچھ بھی نہیں۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔ ظاہر ہے جوانی میں جن نظریات کے تحت میں نے اپنی آوارگی کا جواز پیدا کیا تھا اُسی طرح کے کچھ نظریات وہ بھی رکھتی ہو گئی۔“

”لیکن یہ رجحان..... خدا کی پناہ..... مجھ کو بے چارے لگڑے پر رحم آ رہا تھا۔ میں بھی نفیات کا طالب علم رہ چکا ہوں۔ لیکن آج تک کوئی ایسا کیس میری نظر سے نہیں گزرا۔“

”کیا کیس.....؟“

”کسی اپاچ کی بے چارگی سے محفوظ ہوں۔“

”واقعی یہ بڑی عجیب بات ہے۔“ روچی کا ڈیٹی پر ٹشوٹ انداز میں سر ہلا کر بولا اور حمید اسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ بھی کوئی عجبہ ہے۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

”تم خلکڑے ہی کیوں؟“

”میں خوب نہیں سمجھ سکتا۔“

”ہوش میں رہو۔ جانتے ہو تم کس سے باتیں کر رہے ہو۔“

”میں نہیں سمجھتا۔“

”سرفضل مجید آف بوو۔ اٹیٹیت۔“

”آئی ایم دیری سوری سر۔۔۔ یہ یونگا اٹیٹیت کہاں ہے۔“

”شمالی پہاڑی سلسلوں کے درمیان۔۔۔ نہ ہوئی میری اٹیٹیت۔۔۔ کھال کھنپوا لیتا۔“

”لنگڑے کی۔۔۔؟“

”ٹٹ اپ۔۔۔!“ اس نے حمید کا گربیان پکڑ کر جھکلا دیا۔ اتنا عزیز ردست جھکتا تھا کہ حمید کری سے اٹھتا چلا گیا۔ ساتھ ہی کپٹی پر ایک ہاتھ بھی پڑا تھا۔ حمید کو ایسا محبوس ہوا جیسے سر سے شہاب ناقب کا کوئی ٹکڑا اٹکرا رہا ہو۔ آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔

پتہ نہیں کتنی دیری تک دونوں ہاتھوں سے سرخا سے رہا تھا اور اس کا جسم گویا فضائیں پکراتا ہوا محبوس ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد آنکھیں کھولیں اور خود کو پینے سے نہیا ہوا بھی محبوس کیا۔

سرفضل مجید سامنے کھڑا اُسے خونخوار نظردوں سے گھوڑے جارہا تھا۔

”اٹھوو۔۔۔!“ اس نے غرا کر کھا۔

حمدید چپ چاپ وہاں سے اٹھ گیا۔ اس کی طاقت کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ اس نے کوئی غیر داشمندانہ فیصلہ نہ کر سکا۔

”ٹٹے جاؤ۔۔۔ اگر پھر کبھی شکل دکھائی دی تو مجھے۔۔۔ نہ کوئی نہ ہو گا۔“

حمدید چپ چاپ۔۔۔ کے طرف مڑ گیا۔

”دھمپرو۔۔۔!“

حمدید رک گیا۔

”تم ایک گھنٹے بعد ہمیں یہاں نہ پاؤ گے۔۔۔ اسلئے پلیس اٹیٹیشن تک جانے کی زحمت نہ کرنا۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔

”سختی سے روکئے۔ آئندہ کسی لنگڑے سے نہ ملنے دیجئے۔“

”رورو کر جان دے دے گی۔“

”مرہنی جانا چاہئے ایسی اولاد کو۔“

”شٹ اپ۔۔۔ تم ایک باپ سے کہہ رہے ہو ایسی بات۔“

”ساتھ ہی باپ کو بھی مر جانے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔“

”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔۔۔ ہڈیاں پسلیاں توڑ کر کھدوں گا۔“

”ایسے مناظر دیکھنے سے تو یہی بہتر ہے کہ میں ہڈیوں اور پسلیوں کا ڈھیر بن جاؤں۔

کوئی بات ہے۔ صاحبزادی لنگڑے سے شغل فرمائی ہیں اور آپ مجھے بور کر رہے ہیں۔“

”چلے جاؤ یہاں سے۔“

”پیدل۔۔۔!“

”میں کچ کچ۔۔۔!“ وہ مٹھیاں ٹھیٹھ کر رہا گیا۔ جملہ بھی پورا نہ کر سکا غصے کی زیادتی کی بنا پر۔

”اگر تم میرے باپ ہوتے تو میں تمہیں گولی مار دیتا سمجھے۔“

”کیوں۔۔۔؟“ وہ غرایا۔

”تم جیسے نامعمول بالپوں نے یہی باسڑہ سوسائٹی پیدا کی ہے۔ اپنے کلچر کی ایک چیز بھی صحیح و سلامت نہ رہنے دی۔ ابھی ابھی تم نے اپنی جگہ پارہ کے جسم پر جولبais دیکھا اور

برداشت کیا تھا کیا تمہارے باپ تمہاری بہن کے جسم پر برداشت کر سکتے؟“

”خاموش رہو۔۔۔ دیقاںوں کے پیچے۔۔۔ تم پڑھے لکھے جاہل معلوم ہوتے ہو۔۔۔ پھر کیوں نہ مغربی اقوام سے پیچھے رہ جاؤ۔“

”جی ہاں۔۔۔ اسی لنگوٹی ہی کی وجہ سے تو مغربی اقوام آگے ہیں ہم سے۔“ حمید جل کر بولا۔

”کیا مطلب۔۔۔؟“

”خواتین کی کم لباسی ہی انہیں چاند پر لے جارہی ہے۔۔۔ سوچتے ہوں گے جب یہ زمین

کے چاند ایسے ہیں تو وہ چاند کیسا ہو گا جسے لنگوٹی بھی میر نہیں۔“

”شام کو آپ کے جاتے ہی کوئی صاحب آئے تھے۔ انہیں لے کر لا بیری میں پڑے گئے تھے۔“

”کون صاحب تھے؟“

”پتہ نہیں.....!“

”کیوں بکواس کرتا ہے۔“

”یقین کیجئے صاحب۔ وہ پہلے کبھی یہاں نہیں آئے۔“

”خیر.....میں دیکھوں گا۔“

”میں نے آپ کو آگاہ کر دیا ہے۔ اب آپ جائیں۔ محض اسی لئے جاگتا رہا کہ آپ کو آگاہ کر دوں۔“

”آپ آگاہ فرمائچے۔۔۔ اب ہٹنے سامنے سے۔“ حمید نے خنک لبھ میں کہا اور اسے ایک طرف ہٹانا ہوا آگے بڑھ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ احتیاطاً پہلے فون پر رابطہ قائم کرنا چاہئے۔ قادر ہارڈ اسٹوں ہی تھہرے۔ پتہ نہیں کس مودڈ میں ہوں۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے رسیور اٹھایا۔

”دوسری طرف سے آواز آئی۔“ دُشتر بند کرو۔

”لہجہ اتنا خراب تھا کہ حمید نے غریب کچھ کہے بغیر رسیور کریڈل پر ٹھیک دیا اور بستر پر گر کر سوت اور جوتوں سمیت سونے کی کوشش کرنے لگا۔

پھر پتہ نہیں کہ آنکھ لگ گئی۔ بے خبر سوتا رہا۔ آنکھ کھلی تو ذہن ہوا میں اڑا جا رہا تھا اور کانوں میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

”جھلا کر رسیور کی طرف ہاتھ بڑھا یا۔۔۔“

”دوسری طرف سے فریدی بول زہا تھا۔“ ہاں تو تم کیا کہنا چاہتے تھے۔“

”بوجا۔۔۔!“ حمید نے ماڈھ پیس میں دھاڑ کر رسیور بیز پر پھیک دیا اور پھر لیٹ گیا

”پولیس میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔۔۔ ہمارے ہوں سر مرد میں جملہ حسلام کرتے ہیں۔۔۔ بس نکل جاؤ۔“

حمدید چل پڑا۔ عقب سے سرفصل نارچ کی روشنی میں اسے راستہ دکھار رہا تھا۔ کیونکہ عمارت کے دوسرے حصے بالکل تاریک تھے۔

حمدید کو اچھی طرح یاد نہیں کروہ باہر کی کھلی فضائیں کتنی دیر بعد پہنچا تھا۔ سرفصل عمارت سے باہر نہیں آیا تھا۔ سڑک پر چند قدم چل کر حمید پھر رک گیا۔ غصے کے مارے اس کا سارا جسم جھلسا جا رہا تھا۔ پھر یک بیک اس کے ذہن میں ایک خاص قسم کی کلبلاہت ہوئی۔ غالباً وہی پرانی چمکی متحرک ہوئی تھی جو اسے آنکھیں بند کر کے اندر ہے کنوئیں میں بھی چھلانگ لگادینے پر مجبور کر دیتی تھی۔

اس نے سوچا کہ وہ سرفصل حمید آف بونگا اسٹیٹ ہی کی گاڑی کوں نہ لے جھاگے۔ اس خیال کے تحت وہ بڑی تیز رفتاری سے اس طرف چل پڑا تھا جہاں سرفصل نے گاڑی کھڑی کی تھی۔

اتی تیز رفتاری سے چلا تھا کہ وہاں تک پہنچنے پہنچنے سانس پھول گئی اور وہاں پہنچ کر تو ہیں جی چاہا کہ اپنی دھیاں اڑا کر کھدے۔ گاڑی وہاں سے غائب تھی۔ سڑک پر دور دور تک سناتا تھا اور موڈل کالونی شہر سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر تھی۔

چلتا ہی پڑا۔۔۔ فی الحال یہاں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ سب سے بڑی خواہش اس وقت ہی تھی کہ کسی طرح فریدی کو ان حالات سے آگاہ کر دے۔

چلتا رہا۔ پھر یہ اتفاق ہی تھا کہ ایک میل پیدل چلنے کے بعد ایک آٹو رکشا خالی مل گیا۔ بھاگم بھاگ گھر پہنچا۔ چالنک ہی پر نصیر سے مدد بھیڑ ہوئی۔

”صاحب لا بیری میں ہیں۔“ اس نے کہا۔ ”لیکن بختی سے منع کیا ہے کہ کوئی راہداری سے بھی نہ گزرے۔“

”کب کی بات ہے۔“

کان دبا کر۔

”کتاب کی قیمت..... جس دوکان سے جتنی کاپیاں اٹھائی گئیں ان کی قیمت بذریعہ پُٹل آڑ رکھی گم نام آدمی کی طرف سے اُس دوکان پر پہنچ گئی ہے۔“
”اور ان جو ہر یوں کا کیا بنا جن کے زیورات غالب ہوئے تھے۔“

”مُحید صاحب اُمیں اس نظریے کا قائل نہیں ہوں کہ ایک گروہ یہ سارے کام انجام دے رہا ہے۔ وہ کوئی اور ہیں جو اس ہنگامے سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لیکن یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آصف کی مرمت ہو جانے کے بعد سے پھر کوئی کیس نہیں ہوا۔ نہ وہ کتاب کی اشال سے اٹھائی گئی اور نہ لوت مار کی کوئی واردات ہوئی۔“

”جہنم میں جھوٹکے سب کو..... میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ لڑکی لگڑوں میں کیوں اتنی لچکی لیتا ہے۔“

”اذیت پسندی کی سب سے بھیاک قسم..... اپوزٹ سکس کو جھنی بے چارگی میں بیٹلا کر دینے کا رجحان اکثر قتل و غارت گردی سکھی لے جاتا ہے۔ اسکی ہستیاں خود بھی آہتہ آہتہ غیر شعوری طور پر جنسی جونوں میں بیٹلا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ایسے لوگ اپنا تختہ مشق بانے کے لئے یا تو جسمانی اپا ہجوں کو تلاش کرتے ہیں یا ذہنی اپا ہجوں کو۔“
”ذہنی اپا یعنی..... یعنی اصطلاح سنتے میں آرعنی ہے۔“

”میں ذہنی اپا یعنی انہیں کہتا ہوں جن کا کوئی جذبہ کسی خیال کے تحت اچانک سرداڑ جاتا ہے۔ یا خیال اُس جذبے پر اس شدت سے حادی ہو کر جذبے کے اظہار کی راہ میں دیوار بن جائے اور یہ بھی یاد رکھو کہ ذہنی اپا یعنی بنائے جاتے ہیں۔ اس قسم کی اذیت پسند عورتیں اس کے لئے اپوزٹ سکس کا کوئی آسیا فرد مفتک کرتی ہیں جس کے متعلق یہ یقین ہو کہ وہ باصول آدمی ہے۔ وہ اُس پر بڑی محنت کرتی ہیں۔ اُسے پوری طرح سمجھنے کی کوشش کرتی ہیں اور پھر اجتنابی بیجانی لمحات میں اُس کے ذہن کی کسی دھکتی ہوئی رُگ پر انگلی رکھ دیتی ہیں اور وہ اسی لگڑے کی طرح مل کھانا رہ جاتا ہے۔“

”ذرا ٹھہریے۔“ مُحید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آخراتی دردسری کیوں مول لیتی ہیں۔“

اب کیا ہو گا؟

فریدی نے پر تشوش انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”بُونگا اسٹیٹ کا وجود ہے اور سرفصل مجید وہاں کا حکمران بھی تھا۔ اب اس کی حیثیت ایک بڑے زمیندار کی ہے۔“
”آپ ذاتی طور پر واقف ہیں اُس سے؟“
”نہیں۔“

مُحید ناشتے کی میز پر دیر سے پہنچا تھا۔ تو قع نہیں تھی کہ فریدی سے ملاقات ہو جائے گی لیکن وہ موجود ملا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے انداز میں بے تعلقی پائی جا رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ناشتہ کرتے وقت اخبارات میں کھو گیا ہو اور پھر ناشتے کے وقت بھی اُن سے نجات نہ ملی ہو۔ لیکن مُحید تو بے چین تھا کہ کسی طرح پچھلی رات کی کہانی اس کو سنا دے۔ بات شروع کرنے میں کیا دریگتی۔ فریدی خاموشی سے سترہا اور پھر اتنا ہی بولا تھا کہ اُسے بُونگا اسٹیٹ اور اُس کے والی کا علم ہے۔

مُحید منتظر رہا کہ شانکوہ پچھہ اور بھی کہے لیکن وہ تو پھر اخبار میں کھو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھا کر کہا۔ ”آصف والے کیس کے سلسلے میں ایک نئی بات معلوم ہوئی ہے۔“

”کیا.....؟“ مُحید ہمہ تن گوش ہو گیا۔
”جن جن دو کانسروں کا نقصان ہوا تھا انہیں اس کا معاوضہ کسی نہ کسی صورت میں مل گیا ہے۔“
”میں نہیں سمجھا....!“

”اپنے لئے فرست کا ایک لمحہ بھی میرے پاس نہیں۔“

”خیر.....! حمید پاپ میں تمبا کو بھرتا ہوا بولا۔“ میں انتقام لینا چاہتا ہوں۔“

”کس سے؟“

”فرضل مجید والی بونگا اشیٹ سے۔“ حمید ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

”بکواس نہ کرو۔“

”آخروہ مردود مجھے اپنے ساتھ کیوں لے گیا تھا۔“

”میں کیا بتا سکتا ہوں؟“ فریدی نے کہا اور پھر اخبار دیکھنے لگا۔

”خیر.....! میرا معاملہ ہے۔ میں ہی دیکھ لوں گا۔“

”آپ کی قوت پرواز سے میں بخوبی واقف ہوں۔“ فریدی نے اخبار سے نظر ہٹائے

بغیر سرد لجھے میں کہا۔

”آپ دیکھیں گے۔“

”جی باب.....! یہی دیکھوں گا کہ حمید صاحب بھی لنگڑاتے پھر رہے ہیں۔“

”یقیناً..... ان لوگوں کلک پہنچنے کا واحد ذریعہ یہی ہے۔ میں دیکھوں گا کہ وہ لڑکی میری

بی بی سے کس طرح محظوظ ہوتی ہے۔“

”خواہ مخواہ وقت نہ ضائع کرو۔“

”پلیز.....! میری یہ خواہش پوری کر دیجھے۔ اس مردود نے میرے ساتھ کوئی اچھا برداز

نہیں کیا تھا۔“

”سوق لو.....! بارسون خ آدمی ہو گا۔ ورنہ اس طرح کٹلے بندوں نہ پھرتا۔“

”اب شامند مجھے اپنے کانوں میں پکھلا ہوا سیسرہ دالنا پڑے گا۔“ حمید نے ناخنگوار لجھے

میں کہا۔

”وہ کس لئے فرزند۔“

”آپ کی زبان سے اینا جملہ سننا پسند نہیں کرتا۔ ارے ہم اس لئے پچھے ہٹ جائیں کہ

”یہ وہ عورتیں ہیں حمید صاحب جنمیں اپنے آس پاس کی زندگی میں اپنی بے قسم کا شدت سے احساس ہونے لگتا ہے۔ اگر وہ ذہین بھی ہوئیں تو اس قسم کے طریقے اختیار کر کے اپنی انا کی تسلیکن کرتی ہیں۔ جب وہ کسی کو جنمی بے بی میں بنتا۔ بیکھتی ہیں تو انہیں اپنی اہمیت کا احساس ہوتا ہے اور وہ اپنی گھر میں بے قسمی کو تھوڑی دری کے لئے بھول جاتی ہیں۔ آہستہ آہستہ یہیں چیز ان کی تسلیکن کا ذریعہ بھی بنتی چلی جاتی ہے۔ یعنی مقامیں کو بے بی میں بنتا کرتے وقت وہ خود جس قسم کے بیجان میں ہوتی ہیں وہی ان کے لئے سب کچھ ہوتا ہے۔“

”بس سمجھئے.....! ورنہ میرا دماغ الٹ جائے گا۔ میں سیدھا سا آدمی ہوں اور سیدھی سادھی عورتیں مجھے پسند آتی ہیں۔“

”آپ ہی میںے حضرات ایسی عورتیں بیدا کرتے ہیں حمید صاحب۔“ فریدی نے تلخ لجھ میں کہا۔ ”مجھے ان بے چاریوں سے ہمدردی ہے۔ صدیوں سے یہ اس احساس کا شکار رہی ہیں کہ ان کا صرف ایک ہی مصرف ہے۔ حالانکہ ان کی بھی شخصیت ہوتی ہے۔ ایک سوچتا ہوا ذہن بھی رکھتی ہیں۔ اگر ان کی ایک کے علاوہ دوسرا جتوں کو نظر انداز نہ کیا ہوتا تو آج کی بعض عورتیں ایسی ذہنی یا جسمانی بے راہ روی کا شکار ہرگز نہ ہوتیں۔ گھر میں بے قسمی بھی انہیں اس راہ لے جاتی ہے۔ وہ تھوڑی ہی دری کے لئے خود کو دنیا کی اہم ترین عورتیں دیکھوں کر کے ایک طرح کی طمائیت حاصل کر لیتی ہیں۔“

”بس صاحب۔“ حمید دونوں ہاتھوں سے اپنے کان بند کرتا ہوا بولا۔

”میں کچھ نہیں سننا چاہتا اور پھر کسی ایسے آدمی سے عروتوں کے بارے میں کیا سنوں جس کا علم ان کے متعلق مخفی کتابی ہے۔ تجربے کا مرہون منت نہیں۔“

”تجربہ کار صاحب۔ کسی دن عقل ٹھکانے آجائے گی۔“

”خداؤہ وقت نہ لائے کہ سوگوار ہوں میں۔ لیکن کیا مردوں میں ایسے جانور نہیں پائے جاتے۔“

”یقیناً پائے جاتے ہوں گے۔“

”آپ نے اپنے بارے میں بھی بھی کچھ سوچا۔“

وہاں پہنچا رہا تھا۔

حمد آج دیر سے پہنچا..... روئی اور تو قیر اس سے پہلے ہی آچکے تھے۔ پچھلے دنوں حمید نے قطعی کوش نہیں کی تھی کہ روئی سے دو باقی ہی کر لینے کا موقع ہاتھ آجائے لیکن اس نے محبوں کیا تھا کہ وہ اس میں دچپی لے ہی ہے۔ ہونا بھی چاہئے تھا۔ وہ تو قیر سے کہیں زیادہ خوب رو در جوان ”لنگڑا“ تھا۔ چیزے پر فریدی نے پلانک میک اپ کیا تھا اور حمید کی درخواست پر اس کا بھی خاص طور پر خیال رکھا تھا کہ ”گلفامیٹ“ اصل سے بھی بڑھ جائے۔ آج بھی روئی اس کی بیساکھی کی کھٹ کھٹ پر چوک کر ان کی طرف مزی تھی اور تو قیر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کبھی اُسے گھورنے لگتا تھا اور بھی حمید کو۔

ان کے قریب سے گذرتے وقت حمید کی بیساکھی آج کی ایکم کے مطابق میز کے پائے سے نکلائی اور وہ لاکھڑا کر گرنے ہی والا تھا کہ روئی نے جلدی سے اٹھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ تو قیر نے بھی اٹھنے کی کوش کی تھی۔ لیکن روئی نے تھمنانہ انداز میں اُسے روک دیا تھا۔

بازو کا سہارا دیئے ہوئے اس نے حمید کو اپنی ہی میز پر بیٹھنے کی پیش کش کی۔ ”دش..... شکریہ مختصر م..... ہم تو روئی کی توکری کی چیز ہیں۔“ حمید بیٹھ کر ہانپا ہوا بولا اور پھر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے اپنی اس حالت پر شرمند ہو اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ لوگوں نے اُسے اس حال میں دیکھا تو نہیں۔“

”نہیں..... نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں۔“ روئی نے خالص ہمدردانہ لمحے میں کہا۔ ”سو سائی کا ہر فرد اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے۔“

”لیکن میری کوئی اہمیت نہیں۔“ حمید کے لمحے میں درد تھا۔ ”کیوں جناب..... آپ کی کوئی اہمیت کیوں نہیں۔“ تو قیر نے زہریلے لمحے میں کہا۔

”میں اس بھرپوری دنیا میں بالکل تھا ہوں۔“

- ”شعر بھی معلوم ہوتے ہیں۔“ تو قیر کا لجہ اب بھی طنزیہ تھا۔ حمید نے بظاہر اس کا کوئی نوٹ نہ لیا لیکن دل ہی دل میں کباب ہوتا رہا۔

کہیں وہ بار سون خ نہ ہو۔“

”لنگڑا بننا آسان نہیں ہے جتنا کہ ہکلا۔ میڈیکل ایگزامینیشن لنگڑے پن کا پول کھول سکتا ہے۔“ فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

”کیا وہ میر امیڈیکل ایگزامینیشن کرانے بیٹھے گا۔“ حمید تھوڑی در بعد بولا۔

”ہمکن تو نہیں ہے اور پھر ایسی صورت میں جبکہ وہ تمہیں بتا بھی چکا ہے کہ لنگڑے اس کی لوکی کی کمزوری ہیں۔ یہ نہ بھولو کرو وہ کسی نہ کسی جرم میں بھی ملوث ہے۔ لہذا اپنے قریب آنے کی کوشش کرنے والے ہر نئے آدمی کو پر کھنے کا خیال ضرور آئے گا اس کے دل میں۔“

”تو پھر میں کیا کروں مجھے بتائیے۔“

”خیر از راہ ہمدردی تمہاری ٹانگ توڑنے کی کوشش کروں گا۔“

”جی.....!“

”یعنی لنگڑے ہو جاؤ گے کچھ دنوں کے لئے۔“

”کیا مطلب؟“

”ایک ٹانگ کے پٹھے کچھ دنوں کے لئے اکڑ جائیں گے اور دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا کثرت بھی نہ کہہ سکے گا کہ پھوٹوں کی ناکارگی مصنوعی ہے۔“



کھٹ کھٹ کھٹ بیساکھی فرش پر نئی روئی تھی اور میں پول کے ڈائینگ ہال میں روزانہ کے بیٹھنے والوں میں چمگوئیاں ہو رہی تھیں کہ آخر یہ ہوئیں لنگڑوں کا اٹھ کیوں نہ جا رہا ہے۔ پہلے تو ایک ہی آنا تھا اب ایک اور آنے لگا ہے۔

حمد تین دن سے آ رہا تھا۔ آج چوتھا دن تھا۔ وہ پچھلے دنوں ان دنوں سے پہلے تا

”خیر..... خیر....!“ تو قیر زردتی مسکرا کر اپنا ہاتھ حمید کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”خاتون روئی کی بھی خواہش ہے تو میں بھی دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔“

”شکریہ جتاب۔“ حمید کا لہجہ بہت زیادہ دردناک تھا۔

”آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا مسر.....!“ روئی بولی۔

”ساجد میرا نام ہے۔“ حمید نے کہا۔

”تو قیر دل کے بُرے نہیں ہیں..... میرا نام روئی ہے۔“

”بیگم تو قیر..... میں ذرا ذرا سی بات پر ترجیدہ ہو جاتا ہوں۔“

”آپ غلط سمجھے۔“ روئی فس پڑی۔ ”یہ میرے شوہر نہیں ہیں۔ صرف دوست ہیں۔“

”اچھا..... اچھا..... میں معافی چاہتا ہوں محترمہ۔“

”کوئی بات نہیں۔“

”جب سے یہاں آیا ہوں لوگوں سے بات کرنے کو ترس رہا تھا۔ ملاز من تو اس دکھ کا مداوائیں ہو سکتے۔“

”جی ہاں قلعی.....! آپ بالکل فکر نہ کریں۔ ہمیں اپنا بہترین دوست پائیں گے۔ تو قیر بہت اچھے آدمی ہیں۔“ روئی بولی۔

پھر مقامی ڈاکٹروں کی بات چل پڑی تھی لیکن وہ فیصلہ نہ کر سکے کہ کس ڈاکٹر سے اس سلسلے میں رابطہ قائم کیا جائے۔

”آپ فکر نہ کریں ساجد صاحب۔“ روئی نے کہا ”جو کچھ بھی ممکن ہو گا آپ لئے کیا جائے گا۔“

”شکریہ۔“ حمید بولا۔ اب وہ ایک زندہ دل آدمی کی طرح چک رہا تھا۔ لیکن یہ تبدیلی بتدریج ہوئی تھی۔ دوسروں کو سیکھی معلوم ہوا ہو گا جیسے دل پر سے غم کے بادل آہستہ چھپنے ہوں۔“



البتہ روئی کے پیہرے پر کیدیگی کے آثار تھے اور وہ اُسے بُری طرح گھور رکھی۔ حمید نے محسوس کیا کہ اب تو قیر اس سے نظریں چارہ ہاے۔

”میں آپ کوئی دن سے یہاں دیکھ رکھی ہوں۔“ دعشا وہ حمید کی طرف مڑ کر بولی۔

”جی ہاں..... آپ کی وجہ سے۔“ حمید نے تو قیر کی طرف سے اشارہ کیا۔

”میری وجہ سے کیوں.....؟“ تو قیر چونکہ کرائے گھوڑے لگا۔

”خنا ہونے کی ضرورت نہیں جتاب۔“ حمید نے مغموم لمحہ میں کہا۔ آپ کے شہر میں اجنبی ہوں اور اپنے علی جیسے اپا ہجوب کی علاش ہمیشہ رہتی ہے مجھے۔“

”ول چھوٹا نہ سمجھے..... دنیا اتنی بُری جگہ نہیں ہے۔“ روئی بولی۔

”میں پیدائشی اپا یعنی نہیں ہوں خاتون..... دنیا اچھی طرح دیکھی ہے۔ تین سال گزرنے والے نگ بیکار ہوئی ہے۔ تین سال سے میں ان کی شفیلیں دیکھنے کو ترس گیا ہوں جو ہر وقت مجھ سے قریب رہنے کی کوشش کرتے تھے۔“

”تو کیا آپ کے سارے دوست آپ کو چھوڑ گئے۔“

”سب چھوڑ گئے..... اب میں ہوں اور میرے تین ملازم..... ایک سکریٹری ایک بادرچی اور ایک ائٹنڈنٹ۔ بغرض علاج یہاں آیا ہوں۔“

”علاج..... تو کیا یہ قابل علاج بھی ہے۔“

”ابھی تک ڈاکٹروں نے اعلاج ہی بتایا ہے۔ لیکن میں نا امید نہیں ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی نہ کوئی اسی شلسٹ ضرور میری مشکل حل کرے گا۔“

”یقیناً..... یقیناً.....!“ روئی کا لہجہ بے حد ہمدردانہ تھا۔

”ہاں تو جتاب.....!“ حمید نے تو قیر کو مخاطب کر کے کہا۔ ”میں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔“

”لیکن میرا ساتھ تو کسی نے بھی نہیں چھوڑا.....!“ تو قیر نے سرد لمحہ میں کہا۔

”تو قیر.....!“ روئی نے اُسے آنکھیں دکھائیں۔

تو قیر بھی اس کے ساتھ آیا تھا اور وہ آسے سہارا دے کر گاڑی سے اتار رہی تھی۔
جید نے جلد از جلد اپنا مودھیک کر لینے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔
دونوں کو ڈرائیورگ روم میں لاتے وقت اس نے کہا۔ ”یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ آپ
تو قیر صاحب کو بھی ساتھ لائی ہیں۔“

”ازادہ تو نہیں تھا۔“ وہ تو قیر کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی ”لیکن شرط ہو گئی ہے ان سے۔“
”شرط۔۔۔ کیسی شرط۔۔۔“
”وزراطیناں سے بیٹھ جائیں تو بتاؤں۔۔۔ اور۔۔۔ یہ بوزھی عورت کون ہے۔“
”میری سیکریٹری۔“
”سیکریٹری۔۔۔“ روچی کے لمحے میں حیرت شگی۔

”مجی ہاں۔۔۔!“

”کیا کوئی جوان عورت نہیں مل تھی۔“

جید نے ٹھنڈی سانس لی اور اس کی آنکھوں میں غم کی ایک لمبی نظر آئی پھر کہیا نے
انداز میں سکرا کر بولا۔ ”اب مجھ میں تاب نہیں رہی۔۔۔ اس پیاری سے قبل ایک جوان ہی
سیکریٹری تھی۔ لیکن مرض کا حملہ ہونے کے بعد وہ ملازمت چھوڑ گئی۔ تب سے میں نے عہد کیا
ہے کہ بوزھی ہی عورت رکھوں گا۔۔۔ وہ مجھے ماں سایار دیتا ہے۔۔۔ وہ اس طرح کبھی مجھ سے
الگ نہیں ہو گئی کہ میرا دل ٹوٹ جائے۔“

”واقعی آپ بہت دلکھی ہیں۔“

”تو قیر اس دوران میں اپنا نچلا ہوت چباتا رہا تھا۔ ان کے خاموش ہوتے ہی بول پڑا۔“
”ہمیں وقت نہ ضائع کرنا چاہئے۔۔۔ پونے سات بجے کا وقت مقرر رہا تھا۔“

”کہیں چلتا ہے۔“ جید نے پوچھا۔
”ہاں۔۔۔!“ روچی نے مغموم لمحے میں کہا۔ ”لیکن میں ابھی تمہیں نہیں بتاؤں گی تمہیں
دکھ ہو گا اور میں تمہیں مغموم دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ تو قیر ہی کو مایوسی ہو گئی۔“

کوئی شاندار تھی۔ جید بیساکھی کی مدد سے طویل برآمدے میں لگڑا ہا پھر رہا تھا۔
سے پول میں روچی سے مل بیٹھنے کو آج تیرا دن تھا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ آج اس
کی قیام گاہ پر ملے گی۔ جید سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ مردوں بھی نہ ساتھ لگا پڑا آئے۔“
اس قیام گاہ کا انتظام فریدی نے کیا تھا۔ ملازمین بھی اسی نے فراہم کئے تھے اور یہ ایسے
افراد تھے جن کی شکلیں جید نے پہلے بھی نہیں دیکھی تھیں۔ ان میں دو قوی یہکل مرد تھے اور ایک
بوزھی عورت جو جید کی سیکریٹری کے فرائض انجام دیتی تھی۔ مردوں میں ایک باور بھی تھا اور
دوسرے اور پر کے دوسرے کام کرنے والا۔ ایک کاتام طاہر تھا اور دوسرے کارشید۔
اس وقت جید یہ بھی سوچ رہا تھا کہ خواہ مخواہ کس مصیبۃ میں پڑ گیا۔ ظاہر تھا کہ روچی کے
ساتھ زیادہ سے زیادہ دو چار گھنٹے گزارے جاسکتے تھے۔ اس کے بعد بیچہ وقت کو لگڑے پیں کی
نذر کر دیا کہاں کی عقلمندی تھی۔

یقیناً عقلمندی نہیں تھی۔ لیکن وہ کہ بھی کیا سکتا تھا۔ کوشش بھی کرتا تو دوسری ٹانگ کو جبکہ نہ
دلے سکتا۔ فریدی نے کہی گھنٹے تک اس ٹانگ میں کسی قسم کے سیال کی ماش کرائی تھی اور یہ رے
پر یقین انداز میں کہا تھا۔ ”کم از کم پندرہ دن کے لئے بے کار ہوئے تم۔۔۔ کسی دن کوئی لاکی ہی
تمہاری موت کا باعث بھی بنے گی۔“

ٹانگ بالکل ہی بے حس ہو کر رہ گئی تھی۔ بیساکھی کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا تھا۔
اُسے یاد آیا۔ فریدی نے یہ بھی تو کہا تھا کہ ہر اسے بڑا میڈیکل ایگرزا میٹھن بھی اس پر
کو کار آمد ثابت نہیں کر سکے گا۔

وہ ٹھلٹا اور سوچتا رہا۔۔۔ ٹھیک چھ بجے روچی کی گاڑی کپاٹ میں داخل ہوئی۔ جید کی
بیساکھی کی ”دھکت دھکت“ رک گئی تھی۔

”اوہہ۔۔۔ مردوں۔۔۔!“ وہ تو قیر کو بھی گاڑی میں دیکھ کر بڑا یا۔

"بات کیا ہے؟"

"ابھی نہیں بتاؤں گی۔"

"جیسی آپ لوگوں کی مرضی..... اچھے دوستوں کے لئے میں جان بھی دے سکتا ہوں۔

اگر کہیں پونے سات بجے پہنچتا ہے تو ہم کافی کا ایک کپ تو ہی ہی سکیں گے۔"

"ہاں اگر یہ چورہ منٹ کے اندر اندر ملکن ہو، تو قیر نے خشک بچہ میں کہا۔

حید نے بوڑھی عورت سے کافی کے لئے کہا اور وہ چلی گئی۔

"میں کتنا خوش ہوں آپ لوگوں کی آمد پر..... بیان نہیں کر سکتا۔"

دونوں میں سے کوئی بھی بچہ نہ بولا۔ حید کو ان کی یہ خاموشی کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔

لیکن اس نے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "آپ نے کسی شرط کا تذکرہ کیا تھا۔"

"فی الحال ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔ کیا ایک دوست کی حیثیت سے

تم مجھ پر اعتماد نہیں کر سکتے۔" روی نے کہا۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بے اعتمادی کا۔"

اتھے میں کافی آگئی۔ شامد پانی پہلے ہی سے تیار تھا۔

کافی ختم کر لینے کے بعد حید نے کہا۔ "کیا میں اپنی گاڑی بھی نکلواؤں؟"

"کیا ضرورت ہے۔ میری گاڑی میں چلو۔"

کچھ دیر بعد گاڑی کپاٹ ہے باہر نکل رہی تھی۔ دونوں لنگڑے پچھلی سیٹ پر تھے اور روی گاڑی ڈرائیور کر رہی تھی۔ حید سوچ رہا تھا کہ خاصی محکمہ خیز اور دچپ پ ہو گیا۔ پہنچنے کو جی چاہا تھا لیکن پھر وقت کی تزکت کا خیال کرتے وقت اس خواہش کا گلا گھونٹ دینے ہی میں مصلحت نظر آئی۔

ویسے اسے الجھن بھی تھی۔ اس شرط کا خیال آیا جس کا تذکرہ روی نے کیا تھا۔ تو کیا اس وقت کا سفر اسی شرط سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد اس کی الجھن دوڑ ہو گئی۔ گاڑی

ایک ڈاکٹر کے مطب کے سامنے رکی۔

"تو یہ بات ہے۔ اس نے سوچا۔ تو قیر نے شامد سے بنا ہوا لنگڑا ثابت کرنے کا بیڑا

انھیا ہے۔ اپنی موجودگی میں طبی معائش کرانا چاہتا ہے۔

"یہ ایک ماہر معائج ہے۔" روی بولی۔ "میرا خیال ہے کہ تمہارا معقول علاج کر سکے گا۔"

حید کچھ نہ بولا۔

وہ سوچ رہا تھا۔ ضروری نہیں کہ فریدی کا ہر دعویٰ درست ہی ثابت ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ

اس سیال کا اڑاڑاکل ہو چکا ہو جس کی ماش کچھ دن پہلے اس ناگ میں کی گئی تھی۔

بہر حال وہ تن پر تقدیر ہو کر مختلف قسم کے آلات سے دوچار ہوتا رہا۔ ویسے وہ ڈاکٹر کے

چہرے پر گھری تشویش کے آثار ضرور محسوس کرتا رہا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد اس نے ڈاکٹر کا بیمار ک بھی سنایا۔

مسلسل بالکل بیکار ہو چکے ہیں۔ کچھ شریانیں بھی خنک ہو گئی ہیں۔ نیقین کے ساتھ نہیں

کہا جا سکتا کہ یہ دوبارہ چل سکیں گے یا نہیں۔"

حید نے دیکھا کہ تو قیر کا منہ لٹک گیا ہے۔ روی نے ڈاکٹر کی فیس ادا کی تھی اور پھر گاڑی

میں آبیٹھے تھے۔

تو قیر کچھ نہ بولا۔ اس نے حید کو متوجہ کر کے کہا۔ "تو قیر صاحب کا خیال تھا کہ تم بن رہے

ہوتا کہ دوسروں کی ہمدردیاں حاصل کر سکو۔"

"اوہ.....!" حید نے کہا اور آنکھیں بند کر کے پشت گاہ سے لٹک گیا۔

تو قیر ہو لے ہو لے اس کا شانہ تھپک رہا تھا۔ ہر ای ہوئی آواز میں بولا۔ "مجھے اپنے اس

تو ہم پر شرمدیگی ہے میرے دوست۔"

حید کچھ نہ بولا۔ البتہ اپنا نچلا ہونٹ اس طرح دانتوں میں دبایا تھا جیسے امنڈ نے والے

آنہوں کو روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"مناسب بھی ہے کہ اب تم اپنی زبان نہ کھلو۔" روی نے تو قیر کو مخاطب کیا تھا۔

”ہوں.....!“ فریدی سر ہلا کر دوسرا طرف دیکھنے لگا۔
 ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میری کیا حیثیت ہے۔“ حمید چھپلا کر بولا۔
 ”کیا مطلب....؟“
 ”اس کیس میں میری کیا حیثیت ہے۔“
 ”کس.....!“ فریدی نے حیرت سے کہا اور پھر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ”میں نے یہ دردسر
 محض تمہاری خواہش کی بناء پر مولیا ہے۔ تم فضل مجید اور روحی سے انتقام لینا چاہتے تھے۔“
 ”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ....!“
 ”میرا وقت نہ بر باد کرو..... یہ بتاؤ کہ اب کیا چاہتے ہو۔“
 ”میری ناگ کامیڈی یکل آگز ایمیشن ہو چکا ہے۔ اب زیادہ دیر کٹ لکڑا اپنی برداشت
 نہیں کر سکتا۔“
 ”ٹھیک ہے..... اب اس کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تم اس کھلیل کو فوری طور پر ختم نہیں
 کرنا چاہتے تو تمہیں خود کو لکڑا اسی پوز کرتے رہنا پڑے گا۔“
 ”آخ رکب تک....؟“
 ”محید اتم ہوش میں ہوانگیں۔ کیا تم میری کسی ایکسیم پر عمل کر رہے ہو۔“
 ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کر بیٹھا ہوں۔“
 ”بڑی عجیب بات ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اس پار کچھ کر بیٹھنے کے بعد بھی تمہاری
 سمجھ میں نہیں آ رہا ورنہ عموماً تم اس کے عادی رہے، ہو کوئی حرکت کر بیٹھنے کے بعد ہی.....!“
 ”خدا کے لئے میرے ذہن کو زیادہ نہ الجھائیے۔“ حمید بات کاٹ کر بولا۔
 ”اچھا تو پھر تم بھی خاموش یعنیو..... میں اس وقت کچھ سوچ رہا ہوں۔“
 ”کیا اسی کیس کے بارے میں....!“
 ”اس تصویر کے دشمن کے بارے میں جو کتابوں پر سے صرف ٹائیبل ڈیزائن چھاڑ لے
 جاتا ہے۔“

”تقریباً صرف کھکار کر رہا گی۔“
 ”گاڑی تیز رفتاری سے راستے پر کر رہی تھی۔“
 ”اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔“ تقریب نے پکھ دیا بعد پوچھا۔
 ”تمہیں تمہارے گھر چھوڑیں گے۔“ روحی نے سرد لہجے میں جواب دیا۔
 ”لک..... کیوں....؟“
 ”میں آج ساجد کو اپنی لاں بیری دکھاؤں گی۔“
 ”مم..... میں بھی چلوں گا۔“
 ”تم پہلے ہی دیکھے چکے ہو..... اس لئے تمہاری موجودگی ضروری نہیں۔“
 ”حید چکا ہونٹ دانتوں میں دبائے سوچ رہا تھا دیکھنے اب کیا ہو؟“

لکڑوں کی شامت

”ہوں.....!“ فریدی پر ٹکر انداز میں بولا۔ ”تم نے اس کی لاں بیری دیکھی۔“
 ”یہ لڑکی..... میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔“
 ”کیوں....؟“
 گھر لے گئی اور منہ چھلانے پڑھی رہی۔ میں نے پوچھا لاں بیری کب دکھاؤ گی۔ کہنے لگی
 مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے لکڑوں سے نفرت نہ ہو جائے۔ میں نے اس خدشے کی وجہ پر چھپی تو
 بولی۔ تو تقریب کی طرح تم بھی حاصل اور کہنے ثابت ہو سکتے ہو۔ وہ چاہتا ہے کہ میں صرف اسی
 تک محدود رہوں۔ میں نے کہایا زیادتی ہے اس پر اس نے سڑا سامنہ بنا کر کہا کچھ دنوں بعد تم
 بھی مجھے اپنی ملکیت بخشنے لگو گے۔ حالانکہ مجھے صرف بے بی سے پیار ہے۔ یہ بے بی مجھے کسی
 خارش زدہ کتنے میں بھی نظر آ سکتی ہے اور میں اسے بھی گلے لٹا سکتی ہوں۔“

حمدہ راسامنہ بنائے ہوئے پاپ میں تباہ کو بھرنے لگا۔



پہنیں کس طرح چھپتا چھپتا فریدی تک پہنچا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ اور کیا حاصل ہوا کہ بیکار ہو جانے والی نائگ دوبارہ کار آمد ہو گئی تھی۔ دوسرا سیال عجیب تھا۔ جلد سے مس ہوتے ہیں ایسا لگا تھا جیسے گوشت اور پھون سے گذرنا ہوا ہڈی سے جا نکلایا ہو۔ پھر ان کا رد عمل شروع ہوا تھا اور اس نے محشیوں کیا تھا جیسے بے جان رگوں اور پھونوں میں کھاؤ پیدا ہو گیا ہو۔

اب اس وقت وہ اپنی عارضی قیام گاہ پر اپنی اس عارضی طور پر مظاہن ہو جانے والی نائگ سے باقاعدہ طور پر کام لے رہا تھا۔

کلاک نے جیسے ہی گیارہ بجائے کسی نے باہر وزینگ بیل کا بن بھی دبایا اور تیر تم کی آواز سے پوری عمارت گونج آٹھی۔

کون ہو سکتا ہے؟ اس نے سوچا۔ آج روئی بھی نہیں آئی تھی۔ کیا اتنی رات گئے وہ آئی ہو گی۔ بہر حال ملازم نے کچھ دیر بعد آکر اطلاع دی کہ روئی اور تو قیر ڈرائیگ روم میں اس کے مختار ہیں۔

حمدہ نے سلپینگ گاؤں پہننا اور بیساکھی سنجھان کر ڈرائیگ روم کی طرف چل پڑا۔

”آج ہم دوقلوں ہی بڑے اچھے موڈ میں ہیں۔“ روئی اسے دیکھ کر چکی۔

”بڑی خوشی ہوئی۔ آپ نے کرم فرمایا۔ مجھے بھی بیندازی تھی۔“ حمدہ بولا۔

”بور تو نہ ہو جاؤ گے۔“

”کیا بات کرتی ہیں آپ.... آپ لوگوں کی محبت سے بور ہو جاؤں گا۔“

تو قیر خاموش تھا۔ حمدہ نے اس کے چہرے پر اچھے آثار نہیں دیکھے تھے۔

”اس سلپینگ گاؤں میں تم بڑے اچھے گلتے ہو۔“ روئی نے کہا۔

اور حمید شرما جانے کی ایکنگ کرتا ہوا دوسری طرف دیکھنے لگا۔ پھر تو قیر سے نظریں میں اور جھک گئیں۔ اس نے تو قیر کی آنکھوں میں شدید ترین جھلاہست دیکھی تھی۔

”لیکن ہم بیکار تو نہیں بیٹھیں گے۔“ روئی نے کچھ دیر بعد کہا۔ حمید اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں کہتا ہوں.....!“ تو قیر کی آواز کھنس گئی۔

”تم کچھ بھی کہتے نہیں..... کہتے بھی ہو تو میں سننے پر تیار نہیں۔ ضروری نہیں کہ ہم روزانہ ایک ہی قسم کی تفریخ کریں۔“

”روئی..... ہم..... میرا مطلب تھا.....!“

”اچھا..... اچھا..... میں کچھ نہیں سنتا چاہتی۔“

حمدہ نے محشیوں کیا جیسے روئی کا موڈ بگڑ گیا ہو۔ وہ کچھ دیر تک پھولی بیٹھی رہی پھر غرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”تم دونوں ہی کان کھوں کر سن لو..... میں ہمیشہ اپنے دوستوں پر چھائی زن بننے کی عادی ہوں۔“

”میں ہاں..... میں سمجھتا ہوں..... آپ کے بارے میں میرا ایسی اندازہ تھا۔“ حمدہ نے مسکرا کر کہا۔

”لیکن مجھے تمہارا یہ انداز بھی پسند نہیں۔ جب مجھے غصہ آتا ہے تو میرا کوئی دوست میرے سامنے مسکرنے کی جرأت نہیں کرتا۔“

”بڑی مصیبت ہے۔“ حمدہ مسکراتا ہوا بولا۔

”کیا مصیبت ہے۔“

”دوسروں کو غصے میں دیکھ کر مجھے بھی آتی ہے۔“

”بکواس ہے..... ناممکن.....!“

بچپن ہی سے اس بڑی عادت کا شکار رہا ہوں اور اب تو یہ فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔

بچپن ہی سے میرے پاپا مجھے ڈائٹنٹھ تھے تو مجھ پر فحشی کا دورہ پڑ جاتا تھا۔

”پچھیں کیوں میں تمہیں اتنا پسند کرنے لگی ہوں۔ ورنہ اپنی خواہشات کے آگے سرہ جھکانے والے دستوں کو جوتے کی نوک پر رکھتی ہوں۔“

”میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں مادام روئی جنہیں عورتیں جوتے کی نوک پر رکھ سکتیں۔ لیکن کیوں کے خرے ناپسند ہونے ہی کی بناء پر میں نے بوڑھی سیکریٹری رکھ چھوڑ دی ہے۔“

”لیکن پہلے تو تم نے اس کی اور کوئی وجہ تائی تھی۔“

”میں پانچ ہزار لفظی منٹ کی رفتار سے جھوٹ بول سکتا ہوں۔“

”تم بالکل مختلف ثابت ہو رہے ہو میرے اندازے سے۔“

”میں پھر کہتا ہوں مادام روئی۔“ ”دفعتاً تو قیر بول اٹھا۔“ ”محض آپ کی وقت حاصل کرنے کے لئے یہ ہماری بیز کے قریب لڑکھڑایا تھا۔“

”تم پھر بولے۔ میں نے کہا تھا خاموش رہنا۔“

”میری ہی چھت کے نیچے میری توہین کر رہے ہو۔“ ”حید تو قیر کو گھوڑتا ہوا بولا۔“

”میں اب کچھ نہ کہوں گا۔“ ”تو قیر نے بہت زیادہ جلاہست کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

”آپ کے خیال سے خاموش ہوں مادام روئی ورنہ میسا کھی مار کر اس کے سر کے دو ٹکڑے کر دیتا۔“ ”حید بھنا کر بولا۔“

”تم ایسے ہی معلوم ہوتے ہو،“ ”روئی مسکرائی۔“

”تو قیر کتاب ہو کر رہ گیا تھا اس ریمارک پر۔“ ”حید نے یہی محسوس کیا۔

”کافی یا چائے مادام روئی۔“ ”حید نے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اپنے لئے ایک سگریٹ منتخب کرتے ہوئے کہا۔

”لیکن تم سگریٹ پیتے ہوئے بالکل اخجھے نہیں لگتے۔“ ”روئی منہ بنا کر بولی۔“

”سگریٹ تو میں نہیں چھوڑ سکتا۔“

”میں کب کہہ رہی ہوں۔ میں نے تو صرف اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔“

”مجھ سے کبھی کچھ کہہ کر دیکھئے۔“ ”تو قیر بولا۔“

”میرے ساتھ یہ نہیں چلے گی۔“

”جبوری ہے محترم روئی۔“

”کیا کہا۔۔۔؟“ ”روئی نے غصب تاک انداز میں آنکھیں نکالیں۔

”حید ٹھنڈا پڑا۔“

”یہ کیا نامعقولیت ہے۔“ ”دفعتاً تو قیر دھاڑا اور حید کشم جانے کی ایکنگ کرتا ہوا اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”کیا تم بالکل ہی غیر صحیت یافتہ ہو۔“ ”تو قیر نے اس سے پوچھا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”مادام روئی کہہ رہی ہیں کہ انہیں غصے میں کسی کی بھی ہنی پسند نہیں آتی۔“

”میں سن رہا ہوں سستر تو قیر۔۔۔!“ ”دفعتاً حید کا مدد بھی بدال گیا۔

”تم اپنا لہجہ تھیک کرو۔“ ”تو قیر کی آنکھیں گویا اٹلی ہی پڑیں۔

”تم کو اس بند کرو۔۔۔ اور چلے جاؤ یہاں سے۔“ ”دفعتاً روئی اسی پر الٹ پڑی اور تو قیر ہکابکارہ گیا۔

”حید کو بھی اس پر حیرت ہوئی تھی۔ لیکن اس نے اس کا اظہار نہ ہونے دیا۔ تو قیر تو ساتھ میں آئی گیا تھا۔

”تم دونوں ہی ایک دوسرے پر اپنی برتری کبھی نہ جتا گے سمجھے۔“ ”روئی نے مریا نہ لجھ میں پھر اپنے غصے کا اظہار کیا۔

”تو قیر نے سعادت مندانہ انداز میں سر جھکا لیا تھا۔ لیکن حید شرات آمیر مسکراہست کے ساتھ روئی کو دیکھے جا رہا تھا۔

”تم حق مجھ پیچن میں بھی سرکش رہے ہو گے۔“ ”روئی نے اس سے کہا۔

”دلکھرے پن کی وجہ سے میری روں مضمحل نہیں ہوئی۔ کبھی کبھی وقت طور پر پڑ مردہ ہو جاتا ہوں۔“

فضل جید کرے میں داخل ہوا۔ اُس کی آنکھیں غصے سے اٹلی پڑ ری تھیں۔

تمہوڑی دری تک قہر آؤ دنیزوں سے دنوں کو دیکھا رہا پھر بولا۔

”اب یہ دوسرا لئگڑا..... روئی میں تمہیں گولی مار دوں گا۔“

”ڈیڈی پلیز.....؟“

”شش اپ.....!“

”آپ زیادتی کر رہے ہیں۔“

”میں کہتا ہوں چپ رہو۔“

”اچھی بات ہے..... تو خفار ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”کیا آپ کی دوستی عروتوں سے نہیں۔“

”تو وہ لئگڑی ہیں اور نہ گوگی بہری ہیں۔“

”تو کیا مجھے اس کا بھی حق حاصل نہیں کہ اپنے پند کے آدمیوں سے مل سکوں۔“

”ارے تو لئگڑے۔“

”آپ کو میرے دوستوں کی توہین کرنے کا حق حاصل نہیں۔“

”یاد رکھو جائیداد سے محروم کر دوں گا۔“

”میری بھی بہت بُری جائیداد ہے۔“ حید نے غصے لجھے میں کہا

”تم چپ رہو جی۔“

”ڈیڈی پلیز..... میں ابجا کرتی ہوں۔“ روئی پھر ڈھلی پڑ گئی۔

”میں آج اس کا فضلہ کر کے رہوں گا۔“

”آپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے..... میں ساجد سے شادی کروں گی۔“

”کیا کہا.....؟“

”ساجد سے شادی کروں گی۔“

”تم آؤ ہو۔“ روئی نے لاپرواں سے کہا اور پھر حید کی طرف متوجہ ہو گئی۔ حید نے تو قیر کے چہرے پر کھسیا ہٹ محسوس کی لیکن تو قیر اب اس سے بھی نظریں چارہ تھا۔

دفعتا وزینگ بدل کی تیز آواز ایک بار پھر پوری عمارت میں گنجی اور روئی سوالیہ انداز میں حید کو گھونٹنے لگی۔

”کیا اور کوئی بھی ہے اتنی رات لگئے آنے والا۔“ اُس نے اس سے پوچھا۔

”کوئی بھی نہیں..... آپ دنوں کے علاوہ اور کسی سے یہاں میری جان پہچان نہیں۔“

”تو پھر..... تو پھر..... وہ ڈیڈی ہی ہوں گے۔“ وہ بوکھلانے ہوئے لجھے میں بولی۔ ”کی دن سے میری ٹوہ میں ہیں۔“

تو قیر بھی اس بات پر کچھ نہیں سانظر آنے لگا۔ حید نے احتفانہ انداز میں پلکشی جوکا کیں۔ یہیک اسی وقت ملازم ڈرائیگ روم میں داخل ہوا اور حید کی طرف کسی کا وزینگ کاڑہ بڑھادیا۔

”اوہ..... یہ کون صاحب ہیں..... آپ نے میں نام تو بتا دیا تھا اپنے والد کا۔ سرفعل حید.....!“ حید کا رُپ پر نظر جائے ہوئے بڑھایا۔

”خدا حکم کرے..... اب میں کیا کروں۔“ روئی بڑھا۔

”آپ دوسرے کمرے میں چلی جائیے۔“ حید نے تجویز نہیں کی۔

”لیکن میری گاڑی تو کمپاؤٹر میں موجود ہے۔ وہ کسی طرح بھی دھوکا نہ کھا سکیں گے۔“

”اچھا تو پھر میں دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہوں۔“ تو قیر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”ہاں..... یہ یہیک ہے۔ کم از کم یہ تو ہو گا ک.....!“ وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گئی۔

حید نے بھی بوکھلا جانے تک ایکٹنگ کرتے ہوئے چھلے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور

تو قیر اٹھ کر پیسا کھی میلتا ہوا پردے کے پیچے غائب ہو گیا۔

”حید نے ملازم سے کہا۔ ”انہیں یہاں لاو۔“

ملازم کے چلے جانے کے بعد حید اور روئی خاموش ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

”نہ ہوگا۔“
”اچھا چلئے بھی سکی..... لیکن دولت مندی ہی تو سب کچھ نہیں ہے۔“

”تو کیا یہ توقیر سے زیادہ لٹکرا ہے۔“ اس کے ڈیڈی نے بے حد زہر میلے بجھے میں کہا۔

”خدا کے لئے ڈیڈی بھجنے کی کوشش کیجئے۔“

”تو پھر تو قیر سے زیادہ گدھا ہو گا۔“

”ڈیڈی.....!“

”شش اپ.....!“ اس نے جیخ کر کہا اور حمید سے بولا۔ ”کیوں شامت آئی ہے تھہاری۔ یہ لڑکی صحیح الدماغ نہیں ہے۔ کل تک تو قیر پر جان دیتی تھی۔“

”ڈیڈی.....!“ وہ دھیانہ انداز میں چینی۔

”تم پاگل ہو.....!“ فضل مجید دہڑا۔ ”لبگڑوں کی بے بی سے اکتساب لذت تھہارا محبوب مشغله ہے۔“

”ڈیڈی میں بہت بھائیک ہو جاؤں گی۔“

”کیا اس سے زیادہ جتنی اب ہونی نوع انسان کے لئے۔“

”ساجد تم ان کے بھانے میں مت آنا۔ یہ ہر قیمت پر کوئی بہت زیادہ دولت مند داماد چاہتے ہیں۔“

”میرے پاس کروڑوں کی جائیداد ہے۔!“ حمید نے چھاتی ٹھوک کر کہا۔

”اوہ..... تو تم خود ہی جہنم رسید ہونا چاہتے ہو۔“

”نہیں آپ کافر زند رشد ہونا چاہتا ہوں..... اب غصہ ٹھوک دیجئے اور مجھے گلے لگا لیجئے۔“

”شاکد تھہارا بھی دماغ خراب ہو گیا ہے۔“

”روجی اگر میری ایک ایک بھی الگ کردیں گی تو مجھے شکایت نہ ہوگی۔“

فضل مجید ایک کری پر گر کر ہائیٹے لگا۔

روجی سرجھکائے کھڑی تھی اور حمید اپنی کھوپڑی سہلا رہا تھا۔ وہ تو یہ بھول گیا تھا کہ تو قیر

”میں تمہیں ابھی گولی مار دوں گا۔“

”ذرما رکر تو دیکھو..... فوراً ہی میں بھی خود کشی کر لوں گا۔“ حمید بول پڑا۔

”بہت بہتر..... پہلے آپ خود کشی کر لیجئے..... پھر میں اسے گولی مار دوں گا۔“ سرفصل نے طنزیہ بجھے میں کہا۔

”اتنا انوکھیں ہوں۔“

”روجی تمہیں ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلتا ہے۔“

”یہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔ اس لئے مجھے حق پہنچتا ہے کہ آپ کے اس روئے پر احتجاج کروں۔“ حمید جیخ کر بولا۔

”وہ تھپٹر رسید کروں گا کہ سارے دانت باہر آجائیں گے۔“

حمدید نے جاپ میں پکھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ اس کی طاقت کا اندازہ پہلے ہی سے تھا۔

”ڈیڈی..... ڈیڈی.....!“

”کومت....!“

”میں عدالت کا دروازہ نہ کھٹکاؤں گی اگر آپ نے مجھے میرا یہ حق استعمال نہ کرنے دیا۔“

”لیعنی ایک لٹکڑے سے شادی کا....!“

”بار بار ساجد کی تو ہیں نہ کیجئے۔“

”میں اس کی دوسرا ناگم بھی بیکار کر دوں گا۔“

حمدید کا دل چاہا کہ لٹکڑے پن کو بالائے طاق رکھ کر اس پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر کہ ایک بڑی دلکش لڑکی کا باب پ ہے جہاں تھا وہیں بُک گیا۔

”ڈیڈی میں خود کشی کر لوں گی۔“

”بڑی خوشی ہو گی مجھے اگر تم ایسا کرسکو۔“

”آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ ساجد بھی کافی دولت مند ہے۔“

فضل مجید خاموش ہو گیا تھا۔ کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”تو قیر سے زیادہ دولت مند

اب تو حمید بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”خدا کی پناہ..... یہ تو دونوں ہی لئکڑے نہیں ہیں۔“ فضل مجید نے کہا اور خود لکھڑا تاتا ہوا دیوار سے جالا۔

تو قیر کا چہرہ بالکل سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں اٹلی پڑ رہی تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی لال لال انگاروں جیسی آنکھوں سے کچھ بھائی ہی نہ رہے رہا ہو۔
حمید بھی بیساکھی کی مدد کے بغیر اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔

”یہ کیا ہو گیا.....؟“ روئی دردناک لبجھ میں بولی۔
”میں لئکڑوں سے زیادہ مفید ثابت ہوں گا۔“ حمید تر سے بولا۔ ”تم چاہو گی تو تانگیں رکھنے کے باوجود بھی تھارے پیچھے گھستا پھروں گا۔ تم سے بھی نہ پوچھوں گا کہ اس سے پہلے تم کتنے لئکڑوں سے محبت کر چکی ہو۔“

”چپ ہو جاؤ دغا باز.....!“ روئی دانت پیش کر جیئی۔

”بس اتر گیا محبت کا شتر.....!“ سرفصل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
”آپ مطمئن رہئے محترم۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”شادی کے بعد بھی یہ دو چار لئکڑوں سے محبت کر سکیں گی مجھے اعتراض نہ ہو گا۔“

”مشت اپ.....!“ روئی اور اس کا ڈیپی بیک وقت چیختے تھے۔

”ابے تو چپ رہتا ہے یا نہیں۔“ تو قیر پھر حمید پر جھپٹ پڑا۔ لیکن اس بار سرفصل نے کچھ نہ کہا۔ رویالور والا ہاتھ بھی اس نے پیچھے جھکا دیا تھا۔

حمید اس بار پوری طرح ہوشیار تھا۔ اس نے باہمیں جانب ہٹ کر الٹا داہنہ ہاتھ اس کی کپٹی پر جڑ دیا۔ یہ ہاتھ ایسا سدھا ہوا تھا کہ بھینسا بھی اپنی جگہ سے مل تو ضرور جاتا۔ لیکن تو قیر پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ ہاتھ کسی ستون پر پڑا ہو۔

تو قیر پھر اس کی طرف گھوما اور حمید نے دینترہ بدلنے کی کوشش کی یعنی تقریباً کوئی ناٹگ چل گئی اور وہ لکھڑا کر دیوار سے جا نکل رہا۔

”دوسرا کمرے میں موجود ہے۔“

کچھ دیر بعد وہ حمید کی طرف مڑ کر مضمضل آواز میں بولا۔ ”اچھا تم دوسرا کمرے میں جاؤ۔ میں روئی سے اس منسلے پر تھائی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

”ہرگز نہیں۔ اگر آپ نے میری عدم موجودگی میں انہیں گولی مار دی تو میں کیا کروں گا۔“

”اچھا تو کیا تمہاری موجودگی میں ایسا نہیں کر سکتا۔“ سرفصل مجید نے آنکھیں نکالیں۔

”چلے جاؤ ساجد.....!“ روئی گھکھایا۔ ”جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی کرو۔ اسی پر ہماری آنندہ زندگی کا انحصار ہے۔“

”آپ کہتی ہیں تو چلا جاتا ہوں۔“ حمید بیساکھی میک کر اٹھتا ہوا بولا۔

اس نے اپنی آنکھوں میں تشویش کے آثار پیدا کئے تھے اور احتقاد انداز میں باری باری سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

پھر جیسے ہی وہ پرودہ ہٹا کر دوسرا کمرے میں داخل ہوا کسی نے جھپٹ کر اسے وبوچ لیا۔

بے خیالی میں پہلی لکھ فرش پر لے آئی تھی اور حلہ آر اس پر سوار ہو کر اس کا گلا گھوٹنے لگا تھا۔ حمید اس حملے کے لئے تیار تھا۔ جتنی دیر میں وہ خود کو سنجھائے کی کوشش کرتا تو قیر کی

گرفت اس کی گردن پر بہت سخت ہو گئی اور اب تو وہ اپنی جگہ سے مل بھی نہیں سکتا تھا۔

کانوں میں سیپیاں کی بیجنے لگی تھیں پھر آنکھوں میں انہیں ابھی چھانے لگا۔

دفعتاً اس نے سرفصل مجید کی گرج سنی۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟ تو قیر الگ ہٹو..... اسے چھوڑ دو۔ ورنہ گولی مار دوں گا..... یہ دیکھو

میرے ہاتھ میں رویالور ہے۔“

حمدید کی گردن پر اس کی گرفت ڈھلی پڑ گئی۔

”کھڑے ہو جاؤ۔“ فضل مجید پھر گرجا۔

تو قیر اس پر سے اٹھ گیا۔

”پیچھے ہٹو.....!“ فضل مجید دہاڑا۔

دفعاً سرفصل کی آواز گوئی۔ ”مجھے بتاؤ کہم دلوں لیا بلا ہو۔ ورنہ زندہ دون لردوں گا۔ تو قیر جہاں ہو ہیں تھہرو۔۔۔ میں بڑی بے دردی سے گولی مار دیتا ہوں۔“ ”مجھے سمجھنے کی کوشش کیجئے ڈیڈی۔“ تو قیر نے نرم لمحے میں کہا۔ ”تمہیں اب کیا سمجھنے کی کوشش کروں۔۔۔ ساجدم بھی اپنی جگہ تھہرو۔۔۔ بلنا نہیں ورنہ تم جاؤ۔“ حمید دیوار سے لگا کھڑا رہ گیا کیونکہ سرفصل کاریوں اور پھر ان دونوں کی طرف اٹھ گیا تھا۔ تو قیر نرم لمحے میں بولا۔ ”ڈیڈی۔۔۔ یہ بات اس کرے سے باہر نہیں نکلے گی کہ میں انگڑا نہیں ہوں۔“ ”تمہیں تو میں جیل بھجواؤں گا۔“ سرفصل غریا۔

اس پر تو قیر مسکرا کر بولا۔ ”جیسے میں تو تمہارے کرتوقتوں سے واقف ہی نہیں۔“

حمد نے سرفصل کو چوکتے دیکھا۔ وہ آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر تو قیر کو گھور رہا تھا۔

پھر دفعتاً وہ تو قیر کے دل کا نشانہ لیتا ہوا بولا۔ ”میں سمجھ گیا۔ تم کوئی سرکاری جاؤں ہو۔“

تو قیر نہ پڑا اور حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں تو نہیں لیکن یہ ضرور ہے۔“ ”کیا مطلب۔۔۔؟“

”مجھے شبہ تھا اسی لئے اس کی ناکارہ ناگ کا طینی معاشرہ کرایا تھا۔“

”لیکن ڈاکٹر نے تو اسے ناکارہ ہی قرار دیا تھا۔“ روئی یوں۔

”پھر بھی۔۔۔ آپ دیکھیں یہی رہی ہیں اسے۔۔۔!“

”میں تو تمہیں بھی دیکھیں ہوں۔۔۔!“ روئی زہر لیے لمحے میں یوں۔

”تم ملاز میں کو دیکھو۔“ سرفصل مجید تو قیر اور حمید کو گھوڑتا ہوا روئی سے بولا۔ ”میں انہیں یہیں ختم کروں گا۔“ ”بہت اختیاط سے ڈیڈی۔“

”تم بے نکر ہو۔“ سرفصل مجید نے کہا اور روئی اس کرے سے چلی گئی۔

حمد نے ابھی تک تو قیر کے چہرے پر بےطمینانی یا الجھن کے آثار نہیں دیکھے تھے۔ وہ

اس طرز کھڑا تھا جیسے کسی بہت زیادہ دچپ پ گفتگو میں حصہ لے رہا ہو۔

. دفعتاً اس نے ہنس کر کہا۔ ”سرفضل! میں نے روئی کے احترام میں تم سے کھل کر گفتگو

نہیں کی تھی۔ تم کم از کم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“

”تم آخ سرکاری جاؤں سے کیوں خائف ہو۔ ہمیں سرکاری جاؤں ہی کچھ کر مار کیوں ڈالنا چاہتے ہو۔“

”تم کیا کہتا چاہتے ہو؟“ سرفصل مجید غریا۔

”یہی کر معمولی ہی مشاہدت ہر ایک کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“

”تم سرفصل مجید سابق والی یونیگ اسٹیشن نہیں ہو۔“

”آ۔۔۔ ہم۔۔۔!“ سرفصل مجید نے طویل سانس لی۔

”لیکن تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ مجھے روئی سے بے اندازہ محبت ہے اور میں قانونی طور پر اسے اپنا بنا چاہتا ہوں۔“

”بکواس کر چکے تم۔۔۔ اب مجھے بھی کچھ کہنے دو۔“

”میں سن رہا ہوں۔۔۔!“ تو قیر نرم لمحے میں بولا۔

”تم بھی کوئی اچھے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔ ورنہ لکھوے پن کا ڈھونگ کیوں رچاتے۔“

”میں کب کہتا ہوں کہ میں اچھا آدمی ہوں۔“

”لیکن میں سرفصل مجید والی یونیگ اسٹیشن ہی ہوں۔“

تو قیر نے زہر لیے لجھ میں قبضہ لگایا اور بولا۔ ”میری معلومات بہت وسیع ہیں دوست!

سرفصل مجید اس وقت مغربی برلن میں الیکٹریکس میں سرکھا رہا ہوگا۔“

”میں اب تمہیں کسی قیمت پر بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

”میں اتنا حق نہیں ہوں کہ اتنی آسانی سے مار لیا جاؤں۔۔۔ میرا نام تو قیر ہے اور یہ بھی سنو کہ تمہارے کرتوقتوں سے بھی بخوبی واقف ہوں۔۔۔ یہیں نصیر کے پس سے تجویز کی تھی تم نے علی پار

جرائم کے اعتراض نامے ایک دوسرے کے حوالے کر دیں۔ اس طرح ہم دونوں ہی کی کورا ایک دوسرے سے دستی رہے گی۔

”چلو یہ ٹھیک ہے۔ بہت اچھی تجویز ہے۔“ سرفصل سرہلا کر بولا۔

”لیکن یہ بھی ذہن شین کر لو کہ میں یہ سب کچھ روئی کے حصول کے لئے کر رہا ہوں۔“

”کیا حرج ہے ذیلی؟“ روحی بول پڑی۔ ”بقیہ دنیا کے لئے تو یہ اس کے بعد لگھ کر ہی ہوں گے۔ میں بھی لگھ رہا سمجھوں گی۔“

”بڑی اعلیٰ نسل کی کتنا معلوم ہوتی ہو۔“ حمید بھرا کی ہوئی آواز میں بولا۔

”مشت اپ.....!“ سرفصل اور تو قیر بیک وقت دھاڑے اور پھر سرفصل غرایا۔ ”کیوں نہ اسے ختم کر دیں۔“

”ابھی نہیں۔“ تو قیر نے حمید کو گھوڑتے ہوئے کہا۔ ”یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ یہ حقیقت کون ہے؟“

”تو پھر.....؟“

”اے باندھ کر بیٹھیں ڈال دیں اور جو بات زبانی طور پر ہوئی ہے اسے تحریر میں آجائے کے بعد میں اسے دیکھ لوں گا۔“

ذرا سی کی دیر میں روحی اور تو قیر نے اسے باندھ کر ایک طرف ڈال دیا۔

حمد بڑی گھٹن محسوس کر رہا تھا۔ لڑانا چاہتا تھا لیکن اپنی جانب اٹھے ہوئے ریو الور کی ٹال بھی اسے صاف نظر آ رہی تھی۔

روحی نے اپنے وٹی بیک سے قلم نکالا اور پھر شاند کا فندکی ٹلاش میں باہر چل گئی۔

تو قیر اور سرفصل خاموش کھڑے تھے۔

تحوڑی دیر بعد وہ دونوں ہی سادہ کانٹہ کے شیٹ لئے الگ الگ بیٹھے نظر آئے۔ ان کے قلم تیزی سے چل رہے تھے۔ پندرہ منٹ بعد دونوں نے تحریروں کا تبادلہ کیا اور انہیں بغور پڑھنے لگے۔

”بہت بڑے بڑے کارنامے ہیں۔“ تو قیر طویل سائنس لے کر بولا۔

کی تھی۔ یاد کرو جب میں نے تم لوگوں کو اپنے پکائے ہوئے مرغ کھلائے تھے اور پہلی بار میرا تعارف تم لوگوں سے ہوا تھا۔ اسی دن بیگم نصیر کی تجویز سے ہیروں کے دہار غائب ہوئے تھے۔“

”روحی کی واپسی تک بکواس کرلو۔ وہ ملازوں کا انتظام کرنے کی ہے اس کے بعد..... ہونہے..... یہ ریو الور بے آواز ہے۔ ٹال پر چڑھا ہوا سائلنسر تو قیر پہچانتے ہی ہو گے۔“

”تیز آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہیں اپنا بزرگ پارٹنر بننے کی پیش کش بھی کرتا ہوں۔“

”بزرگ پارٹنر.....!“

”ہاں..... آں..... بہت لمبا رہنے ہے میرا۔ اربوں ٹک نوبت پہنچ جاتی ہے بعض اوقات۔“

”ذرماں بھی تو سنوں۔“

”پورے مڈل ایسٹ اور فارا ایسٹ کے کچھ حصے کا بے ناج بادشاہ سمجھ لو مجھے۔“

”منشیات کی تجارت.....؟“ سرفصل نے پوچھا۔

”منشیات کے علاوہ بھی..... سونا اور جواہرات.....!“

”پھر یہ کون ہے؟“ سرفصل نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

استئنے میں روحی والیں آگئی۔

”کیا رہا.....!“ سرفصل نے پوچھا۔ جواب میں روحی نے کہا۔ ”بے ہوشی ملا دی تھی کافی میں۔ تیوں بے ہوش پڑے ہیں۔“

”ویری گٹھ..... اب میرے پیچے کھڑی ہو جاؤ..... میں ان دونوں کا خاتمہ کئے دیتا ہوں۔“

خڑناک لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ ہم نے بڑا دھوکہ کھایا۔“

”آختم کس طرح مطمئن ہو سکتے ہو۔“ تو قیر نے پسکون الجھ میں پوچھا۔

اگر میں تمہارے بیان پر یقین بھی کروں اور تمہارا پارٹنر بننا بھی منحور کروں تو اس کی کیا صفائحہ ہے کہ تم بعد کو مجھے اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش نہ کرو گے۔

تو قیر کی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ ”اس کی تدبیر بھی ہو سکتی ہے۔ ہم دونوں ہی اپنے

”کاش میرے ہاتھ آزاد ہوتے اور میں تمہارا گلاغونٹ سکتا ہے۔“

”ای وجبے تو پیارے لگ رہے ہو کہ تمہارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔“

”یکا کر رہے ہوئے“ دفنا تو قیریجنا۔

”اب تمہارے دونوں پیر بیکار کر رہا ہوں..... تو قیریجنا!“

سرفضل کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی ایک بہت ہی کریبہ جیج بھی کرے کی حمد و فضائل کوئی۔

یہ سب کچھ ہو گیا لیکن روئی حمید کا سر سہلا تی رہی۔

”میں پاگل ہو جاؤں گا۔“ حمید بڑا ہی۔

ڈیڈی نے اس کے دونوں پیر بیکار کر دیے۔۔۔ اب میں اسے پہلے سے زیادہ چاہوں

گی۔۔۔ سخن اکھاڑ دیے ہوں گے۔ اس فن کے ماہر ہیں ڈیڈی۔“ اتنا کہہ کر اس نے جو حمید کے

سرز کے نیچے سے زانو ہٹایا تو حمید کی آنکھوں میں تارے ناق گئے۔۔۔ سرفش سے ٹکرایا تھا۔۔۔ پھر وہ

شدید ترین تکلیف میں بنتا ہونے کے باوجود بھی نہیں پڑا۔ کیونکہ اب وہ تو قیر کا سراپے زانو پر

رکھے سہلا رہی تھی۔ تو قیر کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ فرش پر چپ پڑا تھا۔

سرفضل قریب ہی کھڑا کہہ رہا تھا۔ ”واقعی تم بہت جیا لے ہو تو قیر کہ بے ہوش نہیں

ہوئے۔۔۔ تمہارے دونوں سخن اکھڑ گئے ہیں اور تم اسوقت تک اپنے پیروں پر نہیں کھڑے ہو کوئی

گے جب تک وہ بھاند دیے جائیں۔“

لیکن وہ کچھ دیر پہلے والے سرفش میں حمید کی آواز تو نہیں تھی۔

”کیا.....؟“ حمید کے طلق سے عجیب ہی آواز لٹکی۔

”مکر کی بات نہیں ہے فرزند.....!“ اس نے فریدی کی اصل آواز سنی۔

”تو قیر کا یہ خیال کیسے غلط ہو سکتا ہے کہ میں سرفش میں حمید کی نقل ہوں۔“

”یعنی..... تو یہ تو قیر.....!“

”ہاں..... عرصہ ہوا اس نے کہا تھا کہ اس کے خلاف کبھی کوئی جرم ثابت نہ کیا جائے گا

اور پھر اس نے یہ بات مجھ سے کہی تھی۔۔۔ لہذا تم دیکھ ہی چکے ہو کہ اس نے خود ہی اپنے جرام کی

”تم کس سے کم ہو۔“ سرفش میڈ اے ٹھیں آمیر نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

دونوں نے ایک دوسرے کے اعتراف تھے کہ کے جیب میں رکھ لئے۔

”دوستی کا ہاتھ.....!“ تو قیر اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

سرفضل نے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ”طااقت دکھار ہے ہو۔“

”کیا حرج ہے۔“ تو قیر مسکرا یا۔ ”روئی اکثر تمہاری جسمانی قوت کی کہاںیاں سنائی رہی

ہے۔۔۔ ہم ایک دوسرے کے جرام سے تو واقعہ ہی ہو گئے ہیں..... کیوں نہ ایک دوسرے کی

طااقت کا بھی اندازہ کر لیں۔“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں تو قیر.....!“ سرفش نے کہتے ہوئے جھکلا دیا اور تو قیر اس سے

آٹکرایا۔ پھر دوسرادھکا اسے سامنے والی دیوار تک لے گیا۔ حمید اسکی پوزیشن میں پڑا ہوا تھا کہ

انہیں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔

اس نے تو قیر کی آنکھوں میں شدید ترین جلاہٹ کے آثار دیکھے۔ وہ غرانتا ہوا سرفش

کی طرف بڑھا۔

”اب میرا بھی ایک ہاتھ سنجالو..... میں غافل تھا۔“

”آؤ..... آؤ.....!“ سرفش نے پر سکون لجھے میں کہا۔ اُھر روئی حمید کی طرف جھپٹی اور

اُس کے سرہانے میٹھے کر اس کا سراپے زانوں پر رکھ لیا اور سر سہلا تی ہوئی بولی۔ ”انہیں زور

آزمائی کرنے دو۔ اس وقت تو تم لکھڑوں سے بھی بذریعہ نظر آ رہے ہو۔ اس لئے مجھے تم پر پیار

آ رہا ہے۔“

”تم کتیا سے بھی بذریعہ ہو۔۔۔ اپنی مثال آپ۔۔۔ اپنی قسم کی پہلی لڑکی۔۔۔ مجھے بڑا نازخا اپنی

اس صلاحیت پر کہ میں عورتوں کو بکھر سکتا ہوں۔۔۔ لیکن۔۔۔ لیکن اُب میں اپنے انعام سے بے پرواہ کر

صرف تمہیں سمجھنا چاہتا ہوں۔ اور یہ کیا۔۔۔ یہ تو کچھ مجھ مرنے مارنے پر آمادہ نظر آ رہے ہیں۔“

”اُھر مت دیکھو تم.....!“ روئی نے بدستور اس کا سر سہلا تی ہوئے کہا۔ ”بہت اچھے لگ

رہے ہواں وقت۔۔۔ بہت پیارے۔۔۔ کاش میں ڈیڈی کی موجودگی میں تمہیں پیار کر سکتی۔“

بھی مل ایسٹ میں رہتا تھا اور کبھی بیہاں آ جاتا تھا۔ پانچ سال پہلے کی بات ہے کہ لگڑا بن کر واپس آیا۔ مشہور کیا کہ اُس پر فانج کا حملہ ہوا تھا ایک ناگ بیکار ہو گئی۔ اس بارہہ نشیات کی نہ جائز تجارت کا جال پھیلا کر آیا تھا۔ اس طرح کہ عام کارکنوں کو علم نہ ہو سکے کہ تجارت کا اصل ماںک کون ہے۔ میں نے چھان بین کی تو سلسہ تو قیرنک پہنچا۔ لیکن کوئی واضح ثبوت نہ تھا اس کے خلاف اور پھر یہ ایک منش کا بھیجا ہی تھا۔ وال بندگی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ لگڑا بھی نہیں ہے۔ لیکن بغیر کوئی ثبوت ہاتھ آئے اس کا میڈیکل ایکرومیٹیشن بھی نہیں کرایا جاسکتا تھا۔ لہذا میں نے یہ تدبیر اختیار کی۔ لگڑا بن جانے کے بعد سے وہ عورتوں کی محبت کو ترس گیا تھا۔ لیکن گوشہ نشینی اختیار کرنے کے بعد سے وہ کسی ایسی عورت کی تلاش میں تھا جو اس سے محبت بھی کر سکے۔ میں نے خود کو سرفصل مجید کی حیثیت سے اس کے حلقة احباب میں متعارف کرانا شروع کیا۔ ریکھا میری بیٹھی بنی۔ ڈھلنے چھپے انداز میں تو قیر پر یہ بھی ظاہر کرتا رہا کہ میں بھی ایک عادی مجرم ہوں۔ ادھر ریکھا بھی اس میں دلچسپی لئی رہی اور وہ اس پر ہزار جان سے فریفہ ہو گیا۔ اس کی حالت تو تم دیکھو ہی چکے ہو۔ ریکھا کو میں نے مخفی اس لئے شریک کیا تھا اس کیس میں کہ تو قیر بھی اور کسی موقع پر اپنے مصنوعی لنگرے پن کو بھول جائے۔ میں اسی جگہ وہ پوری طرح میری گرفت میں آ جاتا۔ میرا خیال تھا کہ عورت سے متعلق فطری تقاضے اسے اس قسم کی بوکھلاہٹ میں جلا کر سکیں گے کہ وہ کسی لفظ پر اپنا لگڑا پن قطعی بھلا بیٹھے لیکن تم اسے رات دیکھو ہی چکے ہو کہ وہ کس طرح اپنا لگڑا پن برقرار رکھے تھا۔ اس رات وہ سب کچھ ہیلی بار سرزد ہو گئی۔ نہ تم روی میں اجنبیت محسوس کر سکتے اور نہ ادا کاری میں حقیقت کا رنگ بھر سکتے۔ ریکھا مخفی تھیں دکھانے ہی کے لئے ان لوگوں کی راہ روکتی تھی۔ جو اس دیوانے کو پکڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ مقدمہ تھا کسی طرح وہ تھیں اپنی طرف متوجہ کرے اور تم اس کے پیچھے لگ جاؤ۔ آرچوں والا دھماکہ اسی مقصد میں فریز زور پیدا کرنے کے لئے ہوا تھا۔ البتہ آصف پر زہریلا مادہ مجرموں ہی نے پھینکا تھا۔ یہ ایک بھی کہانی ہے جیسے صاحب۔ پانچ سال سے جل رہی تھی۔ مختلف اوقات میں اس کی کڑیاں بھی ملاتا رہتا تھا۔ تو قیر بیہاں کا ایک بڑا تاجر تھا۔

”اگر کچھ مجھ میرا دم گھٹ جاتا تو....!“ جیسے جل کر کہا۔

”اتی مہلت کب دینا اُسے۔ بس کچھ میرے اندازے کے مطابق ہوا تھا۔“

”تصویر..... اور تصویر کے دشمن کا کیا چکر تھا۔“

فہرست اپنے دستخط سیست میرے خواہ لے کی ہے۔

”تو کون ہے....؟“ تو قیر پھنسی پھنسی سی آواز میں چینا۔

”احمد کمال فریدی.... اور میر اعلق مرکزی مکمل سراغ رسانی سے ہے۔“

پھر وہاں قبرستان کا ساسانٹا چھا گیا۔ روہی بھی تو قیر کے پاس سے ہٹ آئی تھی۔

”اور یہ....!“ کچھ دیر بعد فریدی بولا۔ ”لیکن ساجد حمید میر استثنیت ہے۔“

”مل..... لیکن..... روہی.....!“ حمید ہٹلایا۔

”لیڈی اسپکٹر ریکھا..... تم کتنے احمق ہو۔۔۔ قریب سے بھی اُسے میک اپ میں نہیں بچا جان سکتے۔“

”جی....!“ حمید جلے کئے لجھ میں بولا۔ ”اب مجھے آپ کے اس کمال کی تقریباً ایک ہزار بار تعریف کرنی چاہئے۔“



دوسرے دن کرٹل فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔ ”تم الوہو۔ میں جب اور جس طرح چاہوں تھیں استعمال کر سکتا ہوں۔ اگر براہ راست تھیں اس کام پر مامور کرتا تو تم سے حاقدیں سرزد ہو گئیں۔ نہ تم روی میں اجنبیت محسوس کر سکتے اور نہ ادا کاری میں حقیقت کا رنگ بھر سکتے۔ ریکھا مخفی تھیں دکھانے ہی کے لئے ان لوگوں کی راہ روکتی تھی۔ جو اس دیوانے کو پکڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ مقدمہ تھا کسی طرح وہ تھیں اپنی طرف متوجہ کرے اور تم اس کے پیچھے لگ جاؤ۔ آرچوں والا دھماکہ اسی مقصد میں فریز زور پیدا کرنے کے لئے ہوا تھا۔ البتہ آصف پر زہریلا مادہ مجرموں ہی نے پھینکا تھا۔ یہ ایک بھی کہانی ہے جیسے صاحب۔ پانچ سال سے جل رہی تھی۔ مختلف اوقات میں اس کی کڑیاں بھی ملاتا رہتا تھا۔ تو قیر بیہاں کا ایک بڑا تاجر تھا۔



جید آفس کے کپاؤٹ کے پھانک پر لیڈی انکوٹر ریکھا کا منتظر تھا۔ وہ اسکوٹر پر آتی تھی اور جید کا ارادہ تھا کہ وہ آصف تک پہنچنے کے لئے اس کا اسکوٹر استعمال کرے اور اس طرح کرے کہ وہ اسکوٹر چلا رہی ہو اور جید تماشا بنا اس کے پیچے بیٹھا ہو اور نظر آئے اور اس خواہش کا تعلق کسی حکمتی کارروائی سے نہیں تھا بلکہ وہ آصف کی عیادت سے پہلے بہت زیادہ خوش طبی کے مظاہرے کا مودہ بنانا چاہتا تھا۔

جیسے ہی ریکھا کا اسکوٹر قریب پہنچا جید نے بوکھلانے ہوئے انداز میں دونوں ہاتھ ہلانے۔ اُسے اسکوٹر روکنا پڑا۔

”اس وقت کپاؤٹ میں کوئی گاڑی موجود نہیں۔ بے حد ضروری ہے کہ آصف سے کچھ باقی معلوم کی جائیں۔ چلو میرے ساتھ۔“ جید نے بوکھلانے ہوئے لجھے میں کہا۔

”میں کیوں جاؤں..... تم گاڑی لے جاؤ۔“

”میرے بازوں میں سخت درد ہو رہا ہے۔ پینڈل کو صحیح طور پر گرپ نہیں کر سکوں گا۔“

”نچھا تو نیجوں.....! وہ جملہ کر بولی۔

اسکوٹر دوسری طرف مڑھی رہا تھا کہ ریکھا بولی۔ ”میرے جسم سے الگ ہی رہنا۔“

”اور پرسوں رات جو سہلا رہی تھیں میرا، زانو پر رکھے..... آہاٹک ہے وہ تو ذیلی کی اجازت سے تھا۔“

”شش اپ.....!“

”اچھا یہ بتاؤ اگر وہ کچھ اپنے پیروں پر بھی کھڑا ہو گیا ہوتا تو کیا ہوتا۔“

”سوچے جاؤ احمقوں کی طرح۔“

”کاش میں لگڑا ہی ہوتا۔ کم از کم شادی پر تو راضی ہو گئی تھیں۔“

”شش اپ.....!“

”وہ چکر بھی تو تقریب کا ہی چلا یا ہوا تھا۔ لیکن میں نے اس کی طرف سے آنکھیں قلعی بندر کر لی تھیں۔ فرشتات کی ناجائز تقسیم کی روک تھام کے لئے عرصہ سے شہر میں سفید پوش کا نشیلبوں کا جال پہنچا ہوا تھا۔ کچھ دنوں تک تقریب کا گردہ تقسیم کاری کی دشواریوں میں بیٹا رہا۔ پھر اس نے یہ تدبیر کی۔ دیوانہ کتاب اٹھا کر بھاگتا تھا اور عوام کے سفید پوش کا نشیل بھی اس کے پیچے دوڑ پڑتے تھے اور گردہ والوں کو موقع مل جاتا تھا کہ فرشتات کے اتناک اذوں پر پہنچا دیں۔“

”لیکن وہ لوٹ مار.....!“

”میرا خیال ہے کہ معمولی چوروں اور اچکوں کی بھی بن آئی تھی ان موقع پر۔ تقریب کا گروہ اس میں پڑ کر مزید خطرات مول لینے کی جرأت نہ کرتا۔ بہر حال اس دیوانے کو بہت زیادہ پر اسرار بنانے کے لئے ایک مصنف کی ایک ہی کتاب کی کاپیاں اٹھوائی جاتی رہی ہیں اور کتاب کا صرف سرورق چھاڑا جاتا اور کتاب کی قیمت بھی کسی طرح دو کانڈا رکوب جھوادی جاتی۔ یہ سب محض اس لئے تھا کہ پولیس اس معنے کو حل کرنے کے چکر میں پڑی رہے اور وہ لوگ بہ آسانی نش آور چیزیں تقسیم کے اذوں تک پہنچاتے رہیں۔ بہر حال تقریب گرفت میں آئی گیا۔ اس کا اعتراف جرم تحریر کی شکل میں میرے پاس موجود ہے اور اس کرے کی ساری کہانی شیپ ریکارڈ پر بھی ریکارڈ ہوتی رہی تھی۔ اگر اس نے اعتراف نہ کرے تو پولیس کے جبرا کا نتیجہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی تو ریکارڈ کیا ہوا ایسپ اسے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دے گا۔“

”اس ساحلی ہوٹل میں ایک جہاز راں سے آپکا جھکڑا کیوں ہوا تھا؟“ جید نے پوچھا۔

”وہ سارا ست اپ تمہیں الجھانے کے لئے تھا۔ وہ چاروں جہاز راں بلکہ فورس کے ممبر تھے۔ اسکیم یہ تھی کہ وہ پہٹ کر تمہاری گاڑی لے بھاگے گا اور تم مجبوراً میری گاڑی میں ہی آبیٹھو گے اور میں تمہیں وہ دکھاؤں گا جو دکھانا چاہتا تھا۔ اس کا انتظام بھی پہلے ہی سے کر لیا تھا کہ وہاں کوئی تیسری گاڑی پارک نہ ہونے پائے۔“

”الدرجہ کرے میرے حال پر.....!“ جید خندی سبانس لے کر بولا۔ ”اب احساس ہوا ہے مجھے کہ میں ایشیا کا عظیم ترین بدھو ہوں۔“

”اس میک اپ میں پھر بھی ملے گی۔“

”ضرور..... ضرور..... ہائیں..... ارے..... لوٹج وائز نوٹ گیا۔“

اسکوٹر سڑک کے کنارے رک گیا۔ حمید آٹ پا۔

”اب کیا کریں..... یہاں آس پاس کسی آٹو پارٹ ڈیلر کی دوکان بھی نہیں۔ اب تم اسے کھینچ کر لے چلو۔“

”میں کھینچوں؟“

”زارے وہ دیکھوں طرف..... عادل آٹو ز..... وہ رعنی دوکان..... دوڑ کر لج وائز عی لے آؤ۔“

”لگائے گا کون.....؟“

”دوکاندار سے معلوم کر لینا..... ہو سکتا ہے وہیں کوئی لگادے اور پھر اس کا لگانا کون سا برا مشکل کام ہے۔“

حمدی نے چھپت کر سڑک پار کی اور پھر جو مڑ کر دیکھا ہے تو احقوں کی طرح دیکھا ہی چلا گیا۔ دیکھا نے دوبارہ اسکوٹر اسٹارٹ کیا تھا اور نیہ جاوہ جا۔ دیکھتے ہی دیکھتے نظرؤں سے جھل ہو گئی۔

خش طبع رخصت ہو گئی۔ پہلے تو ذہن پر کھیاہٹ کا حملہ ہوا پھر جھنجلاہٹ نے رہے ہے موڈ کا بھی پیرا غرق کر دیا۔

آصف کی عیادت کو تو جانا ہی تھا کیونکہ فریدی کی طرف سے اس کے لئے ہدایت ملی تھی۔

ایک آٹو رکشا میں آصف نکل پہنچا۔

وہ چت لیٹا ہوا تھا۔ ایک آنکھ پر پٹی بندھی تھی۔ چہرے کی حالت ابتر عی تھی۔ ابھی آبلے نشک ہو چلے تھے لیکن ان کی میالی رنگت نے چہرے کو عجیب سا بنا دیا۔ حمید کو دیکھتے ہی وہ غریا۔ ”چلے جاؤ یہاں سے..... مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں۔“

”مجھے تو ضرورت ہے کہ بخیر و عافیت رہوں۔ حکم ملابے کہ آپ کی عیادت کو جاؤں لے لذا حاضری دے رہا ہوں۔“

”تم لوگوں کا یہ کمینہ پین زندگی بھریا درہ ہے گا۔“

”آپ خواہ مخواہ اپنے ساتھ میرا ہیں بھی تباہ کر رہے ہیں۔ اس گروہ کے ایک کارکن کا تحریری بیان موجود ہے جس نے آپ پر زہر ملا مادہ پھینکا تھا۔ مقصد صرف سیکھ تھا کہ پولیس اس دیوانے کا معمر حل کرنے میں لگی رہے۔“

”وہ لوگی پکڑی گئی یا نہیں۔“

”میں پکڑا گیا تھا اور وہ لڑکی میرا سر بہلا رعنی تھی اور ابھی کچھ دیر پہلے ہی مجھے بھی چھوڑ جاگی ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”اب آپ جلدی سے اچھے ہو جائیے پھر سارے پرائیوریٹ حالات کھول کھول کر بیان کر دیے جائیں گے۔“

آصف بُراسامنہ بنائے ہوئے پڑا رہا۔۔۔ اور حمید سوچ رہا تھا کہ عیادت میں کم سے کم کتنا وقت صرف کیا جانا چاہئے۔

ختم شد